تدریسِ شعر و شاعری

غضنفر

بشرا پبلی کیشنز
علی گڑھ

تدریسِ شعروشاعری

تدریسِ شعروشاعری

غضنفر

بشرا پبلی کیشنز

TADREES-E-SHER-O-SHAIRI

by

Ghazanfar

Year of Ist Edition 2004
Year of IInd Edition 2009

Price Rs. 200/-

نام کتاب	تدریسِ شعروشاعری
مصنف	غضنفر
مصنف کا پتہ	ڈائریکٹر، اکادمی برائے فروغِ استعدادِ اُردو میڈیم اساتذہ ٹی، ٹی، آئی، بلڈنگ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔ ۲۵ Ph: 011-26922601
سنِ اشاعت اوّل	۲۰۰۴ء
سنِ اشاعت دوم	۲۰۰۹ء
قیمت	۲۰۰ روپے
زیرِ اہتمام	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۳۱۰۸، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں دہلی۔
مطبع	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی۔۶

Published by

BUSHRA PUBLICATIONS

Bushra Hamza colony, New Sir Syed Nagar
Ali Garh (U.P.)

انتساب

اپنی پیاری زبان اُردو
کے نام
جس نے مجھے زندہ رکھا

فہرست



تمہید

شعروشاعری محض تفننِ طبع یا سامانِ تفریح نہیں بلکہ زندگیِ پر پیچ کی تشریح اور بیماریِ حیات وکائنات کی مسیح بھی ہے۔اس لیے کہ شعر مخلصانہ احساس،دردمندانہ فکر، پیغمبرانہ رویے اور فنکارانہ اظہار سے وجود میں آتا ہے۔

یہ صرف لفظوں کا مجموعہ، قافیوں کا کھیل اور مصرعوں کا مرکّب نہیں بلکہ لطیف احساسات وجذبات کا منبع،اعلاافکاروخیالات کا مرکز،روشن تجربات ومشاہدات کا مسکن، ارفع اصول ونظریات کا مستقر،تدبیروحکمت اور بصیرت وآگہی کا مخزن،علم ودانش کا ماحصل، صدائے سحر ساز کا مخرج،نوئے دل نواز کا ماخذ،بیداریِ شعورو ادراک کا میدانِ عمل، بلند پروازیِ تخئیل کا مکتب،بالیدگیِ روح کی درس گاہ اور تناسب،توازن،آہنگ اور موزونیت کی آماج گاہ بھی ہے۔شاعری راہِ عرفان بھی ہے اور منزلِ نروان بھی۔اور یہ تمام تر موضوعات ولوازمات اور صفات وکمالات شعر کے دائرے میں زبان کی راہ سے داخل ہوتے ہیں۔ اس زبان کی راہ سے جسے تخلیقی زبان کہا جاتا ہے۔تخلیقی زبان دراصل لفظ کی جادوگری کا نام ہے اور لفظ کی جادوگری یہ ہے کہ لفظ تصویر بن جائے۔لفظ سُر میں ڈھل جائے لفظ تال میں تبدیل ہوجائے۔لفظ رقص کرنے لگے۔لفظ بھاؤ بتانے لگے۔لفظ طبلے کی طرح کھنک اور پائل کی مانند جھنک اٹھے۔لفظ رنگ میں بدل جائے۔لفظ پھول بن کر کھِل جائے۔لفظ خوشبو ہوجائے۔لفظ روشنی نظر آئے۔لفظ گنجینۂ معانی کا طلسم بن جائے۔''اندازِ بیاں اور ''میں ڈھل جائے۔''اختلاطِ جان وتن''ہوجائے۔نمکِ خوانِ تکلم ہوجائے۔لوگوں کے ناطقے بند کردے۔ایک رنگ کے مضمون کو سو رنگ سے باندھ دے۔''نوطرزِ مرصع''کو

''باغ و بہار'' کردے۔ تذکرۂ شعرائے اردو کو ''آبِ حیات'' بنادے۔ خیال کو مرصع سازی کے عمل سے گزاردے۔

مگر لفظ کی جادوگری یوں نظر نہیں آتی۔ لفظ کی فسوں کاری اور سحر طرازی کیسے دکھائی دیتی ہے؟ گنجینۂ معانی کے طلسمات کیسے کھلتے ہیں؟ غالب کے اندازِ بیاں اور کا راز کیا ہے؟ میر کا وہ انداز کیسا ہے جو یاروں کو بہت زور مارنے کے باوجود نصیب نہ ہوسکا؟، ارتباطِ جان وتن کیسے بنتا ہے؟، ایک رنگ کا مضمون سو رنگ سے کس طرح بندھتا ہے؟، کسی کی فصاحت نمک خوانِ تکلم کیسے بنتی ہے اور کسی کی بلاغت سے دوسروں کے ناطقے کس طرح بند ہوتے ہیں؟، تحسین کی نوطرزِ مرصع میر امن کے ہاتھوں باغ و بہار کیوں کر بن جاتی ہے؟، شاعروں کا تذکرہ آبِ حیات بن کر زندگیِ دوام کس طرح حاصل کرلیتا ہے؟، یہ سب دیکھنے اور جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس طریقے کی طرف رجوع کیا جائے جس سے زبان کی پرتیں کھلتی ہیں۔ لفظ کا اندرون وا ہوتا ہے۔ لفظ کے بطن سے معانی پھوٹتے ہیں۔ اصوات کا جادو باہر آتا ہے، لطف وانبساط کی خوشبوئیں نکلتی ہیں۔ احساس وادراک کی شعاعیں برآمد ہوتی ہیں اور جن سے روح جگمگاتی ہے اور دل ودماغ منور و معطر ہوتے ہیں۔

مگر افسوس کہ اس طریق کی طرف سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا۔ اور اگر غور کیا گیا تو اس کا استعمال خاطر خواہ نہ ہوسکا۔

نتیجہ یہ ہے کہ آج ادب کا طالبِ علم بھی ذوقِ شعروادب سے محروم ہے۔ یہ کتاب اسی محرومی کو ختم کرنے کے لیے ترتیب دی گئی ہے۔

امید ہے شعروادب کے طالب علم کے لیے یہ کتاب کافی ممد ومعاون ثابت ہوگی۔

غضنفر

پرنسپل

اُردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر

10۔اے، مدن موہن مالویہ مارگ، لکھنؤ

خاکہ

شاعری کی تدریس

۱۔ ماقبل تدریس

۲۔ تدریس

۳۔ مابعد تدریس

۱۔ ماقبل تدریس:

الف نصاب

ب نصاب کا خاکہ

ج تدریسی فضا

الف۔نصاب:

I متعلم

II نشانہ

III مدّت

ب۔خاکۂ نصاب:

1۔ انتخابِ متن

2۔ ترتیبِ متن

3۔ اشارے

4۔ مشکل الفاظ

5۔ لسانی کھیل

ا۔انتخابِ متن:

قابلِ غورامور:

— متعلم ،نشانہ ،مدت

— درجہ بندی

— اصول بندی

— دلچسپی، اثر پذیری، معنی خیزی

— تنوع، یکسانیت

— اصناف، ہیت

— تحریکات، رجحانات، میلانات

— اہم اور ممتاز شاعر

— ادوار

— تدریسی پہلو (قابلِ تدریس امور)

۲۔ترتیب متن:

(I) زمانی ترتیب

(II) صنفی ترتیب

(III) غیر زمانی اور غیر صنفی ترتیب

(I) زمانی ترتیب:

— روایتی زمانی ترتیب

— جدید زمانی ترتیب

قابلِ غور امور:

—تاریخی تسلسل

— تحریکات، رجحانات۔ میلانات

—توازن وتناسب

(II) صنفی ترتیب:

قابلِ غور امور:

—دلچسپی

—مقبولیت

—زمانی تسلسل

(III) غیر زمانی اور غیر صنفی ترتیب:

قابلِ غور امور:

— آسانی اور دلچسپی

— یکسانیت

—بوقلمونی اور رنگارنگی

ترتیبِ متن کے وقت دیگر قابلِ توجہ امور:

— حکومت کی پالیسی

—مذاہب کا خیال

— قوم وملت کے جذبات کا احترام

—اخلاقیات

—فحاشی وعریانیت

— تربیتِ ذوق

— فروغِ اقدار

— لطف وانبساط

— تزکیۂ نفس

— مقصدیت

3۔ اشارے:

— فن پارے کی جھلک

— صنف کا مختصر تعارف

— شاعر کا مختصر تعارف

— فن پارے میں مستعمل شعری ذرائع (محاسنِ شعری) وغیرہ کی وضاحت

— تہذیبی ومعاشرتی عناصر کی تشریح

4۔ مشکل الفاظ:

— الفاظ

— مرکبات

— محاورات وضرب الامثال

5۔ مشق:

— موضوعاتی مشق

— تفہیمی مشق

— تہذیبی ومعاشرتی امور کی مشق
— ساختیاتی مشق
— اسلوبیاتی مشق
— قواعدی مشق
— عروضی مشق
— بلاغتی (بیان وبدیع) مشق

موضوعاتی مشق:-

— ایک سطری جواب والا سوال
— دو یا دو سے زائد سطری جواب والے سوالات

تفہیمی مشق:-

— مرکزی خیال
— خلاصہ
— تشریح وتجزیہ

تہذیبی ومعاشرتی مشق:

— تہذیبی ومعاشرتی امور سے متعلق سوالات
— مخصوص ادوار اور ماحول سے متعلق سوالات
— معاشرے کے امتیازات وخصوصیات سے متعلق سوالات

ساختیاتی مشق:

— صرفی سطح
— نحوی سطح

اسلوبیاتی مشق:

— پیرایۂ بیان
— ہئیت
— تکنیک
—

قواعدی مشق:

— مترادفات
— تضادات
— واحد جمع
— تذکیروتانیث
— اجزائے کلام

عروضی مشق:

— قافیہ
— ردیف
— اوزان و بحور
— صوت وآہنگ

بلاغتی مشق:

— شعری محاسن
— شعری معائب
— ضائع وبدائع
— تشبیہ ،استعارہ اور علامت

6۔لسانی کھیل:

— قافیہ پیمائی
— ردیف شناسی
— بلاغتی معرکہ آرائی
— بیت بازی
— موضوعاتی بیت بازی
— شعری کوئز
— منظوم پہلیاں
— دوسخنے
— کہہ مکرنیاں
— شعری معمّے

ج۔ تدریسی فضا:

— بذریعۂ نظم
— بذریعۂ اشعار
— بذریعۂ واقعات واقوال
-- بذریعۂ لسانی کھیل

بذریعۂ نظم:

— عشقیہ نظم
— مزاحیہ وطنزیہ نظم
— مشہورومقبول نظم
— خوش آہنگ اورمترنم نظم

عشقیہ نظم:

—مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ۔	فیضؔ
—چارہ گر۔	مخدومؔ
—متاعِ غیر۔	ساحر
— گرلس کالج کی لاری۔	جاں نثار اختر
—ایک لمحہ کو	کیفی اعظمی
—بازآمد۔	اختر الایمان

مزاحیہ نظم:

— عشق کا پرچہ	دلاورنگار
—اسٹوڈینٹ کی فریاد	دلاورنگار
—شاعراعظم	دلاورنگار
— لکھنوی شاعر کی دکنی بیوی	سلیمان خطیب
—فیصلہ	ساغرخیامی
—مشورہ	ساغرخیامی

مشہور و مقبول نظم:

— آدمی نامہ	نظیر آکبر آبادی
— مٹی کا دیا	مولانا حالی
— ترانۂ ہندی	علامہ اقبال
— ٹھنڈی انگلیاں	جوش ملیح آبادی
— بدلی کا چاند	جوش ملیح آبادی
— آوارہ	مجاز لکھنوی
— تنہائی	فیض احمد فیض
— خون پھر خون ہے	ساحر لدھیانوی
— ہم ایک ہیں	جاں نثار اختر
— نوالا	سردار جعفری
— تبدیلی	اختر الایمان
— او دیس سے آنے والے بتا	اختر شیرانی
— سوداگر	خلیل الرحمان اعظمی
— بارھواں کھلاڑی	افتخار عارف
— ایکتا	شاذ تمکنت
— آٹوگراف	مجید امجد
— عہدِ حاضر کی دلربا مخلوق	شہریار

خوش آہنگ اور مترنم نظم!

— رقص	یوسف ظفر
— ناچ	قیوم نظر
— دو یہ بانی	غضنفر

بذریعۂ اشعار:

— رومانی اشعار
— مزاحیہ وطنزیہ اشعار
— موقع ومحل والے اشعار
— موضوعاتی اشعار
— مشہورومقبول اشعار
— غنائی اشعار
— دلچسپ اشعار

بذریعۂ واقعات واقوال:

— ایتھنزاورسولنِ کاواقعہ
— لڑکیوں کی شادی اورمیمون بن قیس کاواقعہ
— ڈارون کاواقعہ
— ہرونش رائے وچن کاواقعہ

اقوال:

پہلاقول
دوسراقول
تیسراقول
چوتھاقول
پانچواں قول

بذریعۂ لسانی کھیل:

— روایتی بیت بازی
— موضوعاتی بیت بازی
— تخالفی بیت بازی
— شعری کوئز
— منظوم پہیلیاں
— کہہ مکرنیاں
— دوسخنے
— شعری معمّے
— ادبی لطیفے
— پیروڈی
— حاضر جوابی
— تضمین
— ادبی معرکے
— تاریخ گوئی

2۔تدریس:

(الف) تمہیدی خطبات
(ب) متن

الف۔تمہیدی خطبات:

(I) تعارف
(II) اغراض ومقاصد

۱ تعارف

— شعر کی تعریف
— شعری اصناف
— شاعری کی اہمیت
— تخلیقی عمل

تعریف:

—شاعری کی ماہیت (پہچان)۔شاعری اور نثر کا امتیاز
— مواد
— ہئیت

اصنافِ شاعری:

— غزل
— نظم
— مثنوی
— قصیدہ
— مرثیہ
— رباعی
— قطعہ
— شہرِ آشوب
— واسوخت
— ریختی
— ہزل

— آزاد غزل
— حمد
— نعت
— منقبت
— سہرا

شاعری کی اہمیت:

— شعر کی قوت
— شعر کی افادیت
— شعری کارنامہ (کارنامۂ شعر)

تخلیقی عمل:

— قوتِ احساس
— قوت متخیلہ
— قوتِ ممیزہ
— قوتِ زبان

(II) اغراض و مقاصد:

— بنیادی مقاصد
— مخصوص مقاصد

ب۔ متن:

— قرأت
— مشکل الفاظ کے معانی

— تفہیم وتحسین
— صنف کا تعارف
— شاعر کا تعارف
— زبان وبیان
— شعری سماجیات

قرأت:

— بلندی حوانی
— مثالی بلندخوانی
— مثالی بلندخوانی کی تقلید

مشکل الفاظ کے معانی:

— مفرد الفاظ کے معنی
— مرکب الفاظ کے معنی
— محاورات وضرب الامثال کی وضاحت

تفہیم:

— شعر کی نثری ترتیب
— مفہوم
— مرکزی خیال
— تشریح
— خلاصہ
— مقصد

صنف کا تعارف:

— ہئیت

— امتیازی خصوصیات

— صنفی تقاضے

شاعر کا تعارف:

— سوانحی کوائف

— مزاج و نفسیات

— عہد و ماحول

— محرکات و عوامل

زبان و بیان:

— شعری ساخت

— شعری ترتیب اور نثری ترتیب کا فرق

— پیرایۂ اظہار

— صوتی حُسن

— معنوی حُسن

— عروض و قوافی

— ہئیت اور تکنیک

شعری سماجیات:

— تصورِ محبوب

— تصورِ عاشق

— تصورِ رقیب

— تصورِ شیخ، ناصح اور واعظ

— تصورِ چرخ

— تصورِ گل و بلبل

— تصورِ شمع و پروانہ
— تصورِ مرثیہ خوانی
— تصورِ مجلس
— تصورِ ماتم وسینہ کوبی
— تصورِ حمدِ باری
— تصورِ نعت
— تصورِ منقبت
— تصورِ شہرِ آشوب
— تصورِ ریختی
— تصورِ شب/صبح وشام
— تصورِ نور وظلمات،/تاریکی وضیا
— تصورِ سراپا

قابلِ غور امور:

— متعلم کا بیک گراؤنڈ
— ذہنی سطح
— استعداد
— ترجیحات

3۔ مابعد تدریس

الف — ذوقِ شعری کی تربیت کی تدابیر وتراکیب
— دلچسپ وموثر شعری مواد کی فراہمی
— غزل سرائی کا پروگرام
— شعری نشست کا اہتمام

— مشاعروں میں طلبا کی شرکت کا انتظام
— شعروشاعری پر مستعمل اڈیو وِڈیو کیسٹ کے سنانے اور کھانے کا پروگرام
— معیاری اور دلچسپ فلمی نغموں کا پروگرام
— شاعری پر بنے فیچر اور تمثیلی مشاعرے، ڈرامے وغیرہ کا اہتمام
— نمائندہ شاعروں سے ملاقات کا پروگرام
— میوزیکل (نغماتی) فلم کا اہتمام

ب۔ لسانی کھیل:

— نظم خوانی کا مقابلہ
— قافیہ پیمائی کا مقابلہ
— بیت بازی
— ادبی کوئز
— شعرگوئی کا مقابلہ
— مصرعۂ طرح پر شعرگوئی

ج۔ جانچ اور جائزہ:

— قافیہ شناسی
— ردیف شناسی
— تشبیہ واستعارہ شناسی
— علامت شناسی
— ضائع وبدائع کی پہچان
— ہیئت شناسی
— عنوان شناسی

ذوقِ انتخاب کی تربیت:

- بہترین نظموں کا انتخاب
- اچھے اشعار کا انتخاب
- تشبیہی اشعار کا انتخاب
- استعاراتی اشعار کا انتخاب
- علامتی اشعار کا انتخاب
- تلمیحی اشعار کا انتخاب
- صنائع وبدائع والے اشعار کا انتخاب
- موقع ومحل والے اشعار کا انتخاب
- وطنی پرستی کی نظموں کا انتخاب
- قومی یک جہتی کی نظموں کا انتخاب
- مزاحیہ وطنزیہ اشعار کا انتخاب
- اچھے اور معیاری شاعروں کے دیوان کا انتخاب



تفصیلات

ماقبل تدریس

شاعری کی تدریس کو بہتر اور موثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ تدریسِ متن سے قبل کے طریقۂ کار پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تاکہ متن کے لیے مناسب، موزوں، موثر اور بہتر مواد کی فراہمی ہو سکے اور ایک ایسی فضا تیار کی جا سکے جو طلبہ کو شعروشاعری کی تعلیم وتدریس کی طرف راغب کر سکے۔ اس طریقۂ کار کو ماقبل تدریس کا عنوان دیا جا سکتا ہے، اس ضمن میں تین باتوں پر خاص طور سے زور دینے کی ضرورت ہے۔

(الف) نِصاب

(ب) نصاب کا خاکہ

(ج) تدریسی فضا

الف۔ نصاب:- درس وتدریس کی کامیابی کا انحصار بہت حد تک نصاب پر ہوتا ہے، نصاب اچھا ہے تو تدریس بھی اچھی ہوگی اور اگر نصاب عمدہ اور معیاری نہیں ہے تو تعلیمی عمل بھی بہتر نہ ہو سکے گا۔ اچھے اور معیاری نصاب کے لیے درج ذیل تین امور پر توجہ ضروری ہے

I۔ متعلم Learner

II۔ نشانہ Target

III۔ مدّت Duration

نصاب کی تیاری کے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ سیکھنے والے کون ہیں؟ سکھانا کیا ہے؟ اور کتنے وقت میں سکھانا ہے؟ اگر یہ

تینوں باتیں معلوم ہیں تو نصاب کی تیاری میں نہ صرف یہ کہ دشواری نہیں ہوگی بلکہ نصاب اچھا بنے گا اور وہ درس وتدریس کے وقت اساتذہ اور طلبہ دونوں کی رہنمائی کا کام بھی انجام دے سکے گا۔ کیوں کہ یہی تینوں امور یعنی متعلم، نشانہ اور مدّت طے کرتے ہیں کہ نصاب میں کیا داخل ہونا ہے؟ کتنا داخل ہونا ہے اور کتنے وقت میں ان کی تدریس کو پائے تکمیل تک پہنچ جانا ہے، مثلاً سیکھنے والے (متعلم) سکنڈری درجات سے تعلق رکھتے ہیں تو ان کا نصاب الگ ہوگا اور گریجویٹ اور پوسٹ گریجوٹ درجات سے ان کا تعلق ہے تو ان کے نصاب کی نوعیت جدا ہوگی۔ اسی طرح ریگولر درجات کو اگر شاعری پڑھانا ہے تو نصاب اس سے مختلف ہوگا جو قلیل مدتی کورس Short Term Course کے متعلم کو پڑھانے کے لیے مرتب کیا جائے۔ مختصر یہ کہ متعلم سے نشانہ طے ہوگا اور نشانہ سے مدّت کا تعین کیا جائے گا۔

نصاب کا خاکہ:۔ متعلم، نشانہ اور مدّت کے تعین کے بعد نصاب کا خاکہ تیار کیا جائے گا۔ خاکۂ نصاب میں مندرجہ ذیل امور شامل ہوں گے۔

I— متن کا انتخاب:۔

متن کے انتخاب یعنی شعری نمونوں کے انتخاب میں درج ذیل باتیں قابلِ غور ہوں گی۔

— شعری نمونوں کا انتخاب متعلم، نشانہ اور مدّت کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔
— نمونے دلچسپ، موثر اور معنی خیز ہوں۔
— نمونے درجہ بند ہوں یعنی Graded ہوں
— '' اصول بند ہوں۔ یعنی کسی نہ کسی اصول کے تابع ہوں،
— ان میں تنوع اور بوقلمونی ہو، یک نیت نہ ہو
— وہ مختلف اصناف اور ہیئتوں کو سامنے لاتے ہوں،
— وہ مختلف تحریکات، رجحانات اور میلانات سے تعلق رکھتے ہوں
— وہ اہم، منفرد اور ممتاز شاعروں کی نمائندگی کرتے ہوں۔
— ان سے مختلف ادوار کی نمائندگی ہوتی ہو۔
— وہ قابلِ تدریس ہوں، یعنی ان میں کوئی نہ کوئی ایسا پہلو ضرور ہو جو لائق

تدریس ہو، اور جس کے بارے میں طلبہ کو بتانا ضروری ہو۔ مثال کے طور پر غزل کا کوئی نمونہ ہے تو اس کے ہر شعر میں پڑھانے اور بتانے لائق باتیں ہوں، جیسے کسی میں کوئی معنوی خوبی ہو سکتی ہے، کسی میں بیان کا کوئی حسن ہو سکتا ہے، کسی میں کوئی صنعت تو کسی میں کوئی اور خوبی، یا عیب وغیرہ۔

متن کے انتخاب میں اگر ان امور کو ملحوظ رکھا گیا تو نہ صرف یہ کہ نصاب دلچسپ، وقیع اور معیاری ہوگا بلکہ متن کے ساتھ ساتھ، متن کے تناظر، تاریخ اور دیگر امور کو بھی پیش کر سکے گا جن کی روشنی میں ادب کا طالب علم متن کو بہتر طور پر سمجھ سکے گا اور زیادہ سے زیادہ اس سے لطف اٹھا سکے گا۔

2۔ ترتیبِ متن: خاکۂ نصاب کا دوسرا اہم اور قابلِ توجہ پہلو متن کی ترتیب ہے۔ متن کی ترتیب تین طرح سے کی جا سکتی ہے

(I) زمانی ترتیب

(II) صنعتی ترتیب

(III) غیر زمانی اور غیر صنعتی ترتیب

(ا) زمانی ترتیب: زمانی ترتیب کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں

—روایتی زمانی ترتیب (ماضی سے حال کی طرف آنے والی ترتیب)

—جدید زمانی ترتیب (حال سے ماضی کی طرف جانے والی ترتیب)

روایتی زمانی ترتیب خاکۂ متن کی وہ مروّجہ ترتیب ہے جس میں تاریخی تسلسل کے ساتھ یعنی تاریخی ادوار کے مطابق اسباق کی ترتیب دی جاتی ہے۔ اور جدید زمانی ترتیب وہ ترتیب ہے جس میں مروّجہ زمانی ترتیب کو الٹ دیا جاتا ہے۔ یعنی قدیم سے جدید کی طرف آنے کے بجائے جدید سے قدیم کی طرف جایا جاتا ہے۔

دونوں ترتیبوں کے اپنے اپنے فائدے اور نقصانات ہیں۔ مثلاً روایتی زمانی ترتیب سے تخلیقات کے عہد کا علم ہو جاتا ہے۔ شعری نمونوں کی ارتقائی خصوصیات سامنے آ جاتی ہیں۔ بدلتے ہوئے عہد کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا فرق بھی اجاگر ہو جاتا ہے،

رجحانات ومیلانات اوروقت وحالات کے اثرات کااندازہ بھی ہوجاتا ہے۔اوران سب سے متن کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے،لیکن اس ترتیب کانقصان وہ پہلو یہ ہے کہ چوں کہ قدیم متن سے واقفیت اورمانوسیت کم ہوتی ہے اس لیے متن کی قرأت میں رکاوٹ ہوتی ہے۔غیر مانوس ،غریب ادق اوربسااوقات متروک الفاظ ہونے کی وجہ سے تفہیم میں دشواری ہوتی ہے۔باربار رُکاوٹ کے سبب روانی میں کمی آتی ہے۔جس سے اکتاہٹ محسوس ہوتی ہےاوردلچسپی کم ہوتی جاتی ہے۔

جدیدزمانی ترتیب میں چوں کہ مانوس زبان والے شعری نمونے پہلے جگہ پاتے ہیں،اس لیے رکاوٹ اوراکتاہٹ کامسئلہ کھڑانہیں ہوتا،مانوس زبان کے سبب روانی میں کمی نہیں آتی۔دلچسپی بھی مجروح نہیں ہونے پاتی۔البتہ اِس ترتیب سے ارتقائی تسلسل کااندازہ نہیں ہوپاتا۔

قابلِ توجہ امور:

شعری نمونوں کی زمانی ترتیب میں خواہ ماضی سے حال کی طرف یاحال سے ماضی کی جانب سفرکیاجائے،تاریخی تسلسل کوہر حالت میں قائم رکھاجائے۔

دونوں صورتوں میں تحریکات،رجحانات اورمیلانات کے تسلسل کوبھی برقراررکھا جائے۔

- توازن اورتناسب کاخیال رکھاجائے۔

اِن دنوں اسباق کی ترتیب میں جدیدزمانی ترتیب کوترجیح دی جارہی ہے اس لیے کہ آغازچوں کہ مانوس زبان والے نمونوں سے ہوتا ہے،اوران کے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اوران کامفہوم آسانی سے سمجھ میں بھی آجاتا ہے،اس لیے اکتاہٹ نہیں ہوتی اوردلچسپی قائم رہتی ہے۔جدیدزمانی ترتیب میں بس اس بات کاخیال رکھناضروری ہے کہ معاصرشاعری کے انھیں نمونوں کاانتخاب کیاجائے جوموجودہ زمانے کے زبان سے ہم آہنگ ہوں کیوں کہ یہ عین ممکن ہے کہ جدیددور میں لکھی جانے والی تخلیقات کی زبان عہدِ حاضر میں بولی جانے والی زبان سے مختلف ہو۔مثلاً یہاں دوایسے شاعروں کی تخلیقات درج

کی جارہی ہیں جو عہدِ حاضر سے تعلق رکھتے ہیں۔ایک ہی صنف کے شاعر ہیں،ان کی تخلیقات ایک ہی زمانے میں لکھی گئی ہیں مگر دونوں کی زبان میں کافی فرق ہے۔

غزل شہریار

سینے میں جلس آنکھوں میں طوفان سا کیوں ہے
اس شہر میں ہر شخص پریشان سا کیوں ہے
تنہائی کی یہ کون سی منزل ہے رفیقو
تاحدِ نظر ایک بیابان سا کیوں ہے
دل ہے تو دھڑکنے کا کا بہانہ کوئی ڈھونڈے
پتھر کی طرح بے حس و بے جان سا کیوں ہے
کیا کوئی نئی بات نظر آئی ہے ہم میں
آئینہ ہمیں دیکھ کے حیران سا کیوں ہے

غزل امین اشرف

ستم طرازیِ مژگانِ یار آج بھی ہے
وہ ایک تیر مرے دل کے پار آج بھی ہے
فضائے شامِ الم مشکبار آج بھی ہے
خیالِ سنبلِ زلفِ نگار آج بھی ہے
نگاہ آج بھی ہے فرشِ راہ و فرش قدم
خیالِ روکشِ صد انتظار آج بھی ہے
وہی فریب مسلسل وہی جفائے دوام
جھکی جھکی نگہہِ شرمسار آج بھی ہے
وہی تپش، وہی سوزِ دروں،وہی غمِ دل
وہی درازیِ شب ہائے تار آج بھی ہے

یہاں اس سے بحث نہیں کہ کون سی غزل زیادہ اچھی ہے اور کون سی کم یہاں دیکھنا صرف یہ ہے کہ کون سی غزل آج کی زبان کا ساتھ دے رہی ہے اور اس نقطۂ نظر سے کسے نصاب میں داخل کرنا چاہیے اور کسے نہیں کرنا چاہیے۔ان دونوں غزلوں میں سے شہریار کی غزل انتخاب میں جگہ پائے گی اس لیے کہ اس کی زبان آج کی زبان سے ہم آہنگ ہے۔اور خیالات میں بھی ہمارا عصر بول رہا ہے۔

(۱۱) صنفی ترتیب: ایسی ترتیب جس میں صنف کو بنیاد بنایا جائے۔یعنی اسباق کی ترتیب صنف دار رکھی جائے۔صنفی ترتیب کا مثبت پہلو یہ ہے کہ کسی صنف سے متعلق تمام تر اسباق ایک جگہ ہونے سے اس صنف کی مکمل تدریس تسلسل کے ساتھ ممکن ہوجاتی ہے،اس میں کسی پہلو،یا کسی اہم گوشے یا نکتے کے چھوٹ جانے کا امکان کم رہتا

ہے۔اسباق کی تفہیم کے ساتھ ساتھ صنف کی ہیئت ،تکنیک ،اسلوب اوراس کی امتیازی خصوصیات بھی کچھ بھرپور طریقے سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

اوراس ترتیب کا منفی پہلو یہ ہے کہ نصاب یکسانیت اور یک رنگی کا شکار ہوجاتا ہے۔مسلسل ایک ہی طرح کے نمونوں کو پڑھتے رہنے سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے اور دلچسپی میں کمی آجاتی ہے۔

قابلِ غورامور:

صنفی ترتیب میں دلچسپی اور مقبولیت کو بنیاد بنایا جائے۔یعنی مشہورومعروف صنف کے نمونے پہلے رکھے جائیں،اس کی کوشش کی جائے کہ دلچسپ نمونے پہلے آجائیں۔زمانی تسلسل کو قائم رکھا جائے۔

(III) **غیرزمانی اورغیر صنفی ترتیب:** ایسی ترتیب جس میں زمانہ اور صنف کے بجائے ترتیب کی بنیاد دلچسپی اور آسانی پر رکھی جائے۔یعنی آسان اوردلچسپ نمونوں کو پہلے اور کم آسان اور کم دلچسپ نمونوں کو بعد میں لایا جائے،یکسانیت سے بچنے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے شعری نمونوں کو بدل بدل کر رکھا ئے،مثلاً پہلے غزل رکھی تو اس کے بعد نظم،اسی طرح دوسری اصناف کے نمونے ترتیب دیے جائیں۔یعنی بوقلمونی اور رنگارنگی کا اہتمام کیا جائے تا کہ دلچسپی بنی رہے۔

دیگر قابلِ توجہ امور:— اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا جائے کہ نمونے حکومت کی پالیسی کے برعکس نہ ہوں۔

کسی مذہب اور عقید کے خلاف نہ ہوں

ان سے کسی قوم یا فرقے کی دل آزاری نہ ہوتی ہو

فحش،عریاں اور اخلاق خراب کرنے والے نہ ہوں

نمونے ایسے ہوں جن سے پڑھنے والوں کے ادبی ذوق کی تربیت ہو سکے۔

تفہیمی صلاحیت بڑھ سکے۔

ان سے حظ حاصل ہو سکے۔

حیات اور کائنات کے چہرے سے پردہ اٹھ سکے۔ اور اسرار و رموز سامنے آسکیں

اور مثبت اقدار کا فروغ ہو سکے

تزکیۂ نفس ہو سکے

زندگی بامعنی و بامقصد بن سکے۔

3۔اشارے: Hints:— خاکۂ نصاب میں کچھ ایسے اشاروں کا اہتمام کرنا جو متن کو کھولنے میں مدد کر سکیں، موضوع اور مواد کی تفہیم میں متعلم اور معلّم دونوں کی رہنمائی کر سکیں، تخلیق کی مائیت، محرکات و عوامل، مصنف و ماحول کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو سکیں، نہایت ضروری ہے۔ کچھ ناگزیر اشاروں کی یہاں نشان دہی کی جارہی ہے۔

1۔فن پارے کی جھلک:— متن سے قبل متن کے موضوع و مواد سے متعلق ایک ایسا بلیغ اشارہ جو فن پارے کے مفہوم یا تھیم کی ایک جھلک دکھادے۔ ایسی جھلک جس میں نظم کا حسن جھلک اٹھے۔ اس کے معنے و مفہوم منعکس ہو سکیں جنھیں دیکھ کر اس فن پارے کو پڑھنے، اس کے مکمل سراپے کو دیکھنے اور اس کی گہرائی میں اترنے کی للک پیدا ہو سکے اور جو متعلم کو موضوع کی تہہ تک پہنچنے میں رہنمائی کر سکے۔ مثلاً شاذ تمکنت کی نظم ''ایکتا'' کی جھلک کو یوں دکھایا جاسکتا ہے:

(انسان چھوٹا ہو یا بڑا۔ امیر ہو یا غریب، پورب کا ہو یا پچھم کا بنیادی طور پر وہ انسان ہے اور ہر انسان اپنی جگہ اہم ہے۔

اس حقیقت کو اس نظم میں مختلف مثالوں سے سمجھایا گیا ہے اور بڑی خوبصورتی اور فن کاری سے یہ بات دلوں میں اتارنے کی کوشش کی گئی ہے کہ محبت ہی ایک ایسا جذبہ ہے جو دلوں کو جوڑ کر ایک کر سکتا ہے اور اسی سے دنیا میں امن و امان قائم رہ سکتا ہے)

جھلک کے بعد نظم ملاحظہ کیجئے۔

ایکتا

وہ پورب ہو یا پچھم ہو، پھولوں کی مہک تو ایک سی ہے

ہر بیج خزانہ ہوتا ہے ہر مٹی سونا ہوتی ہے

ہر ساگر امرت ساگر ہے   ہر سیپ کے دل میں موتی ہے
بکھرے ہوئے تارے لکھ سہی پر ان کی چمک تو ایک سی ہے
سب ایک گگن کے متوالے   سب ایک زمیں کے پالے ہیں
سب ایک ہی سورج کی کرنیں   سب ایک ہی چاند کے ہالے ہیں
وہ اترّ ہو یا دکھن ہو ست رنگ دھنک تو ایک سی ہے
سکھ ہو تو دل کھل جاتے ہیں   دُکھ ہو تو آنکھ بھر آتی ہے
دکھ سکھ کی دنیا ایک ہی ہے   تفریق دھری رہ جاتی ہے
پودے تو ہزاروں ہوتے ہیں   ٹہنی کی لچک تو ایک سی ہے
وہ پورب ہو یا پچھم ہو   پھولوں کی مہک تو ایک سی ہے

ایک اور جھلک (Glimps) دیکھیے

(انسان کی زندگی مختلف جذبات اور مختلف سچائیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ ساری سچائیاں اپنے اپنے طور پر انسان کو متاثر کرتی رہتی ہیں لیکن ان ساری حقیقتوں میں نیکی اور بدی ہی وہ معیار ہے جس سے انسان دنیا میں بھی صلہ پاتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اسی لیے دنیا کے مصلحین، فلسفی اور شاعر بھی نیکی کو اپنانے اور بدی سے بچنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ نظیر اکبرآبادی نے بھی اس نظم میں نیکی اور بدی کے فرق کو مختلف مثالوں سے واضح کرتے ہوئے نیکی کی تلقین وترغیب اور بدی سے دور رہنے کی بات کی ہے)

یہ جھلک نظیر اکبرآبادی کی نظم ''نیکی وبدی'' کی ہے۔

صنف کا تعارف:۔۔۔ صنف کے تعارف کے بغیر متن کی مکمل تفہیم ممکن نہیں ہے کیوں کہ متن کسی نہ کسی سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے اور اس سانچے کے کچھ خدوخال، کچھ خصائص اور کچھ امتیازات ہوتے ہیں ان کو جانے بنا متن کو اچھی طرح نہیں سمجھا جاسکتا، اس لیے اس صنف کا تعارف ضروری ہے جس میں وہ فن پارہ لکھا گیا ہے۔ صنف کے تعارف میں ان بنیادی خصوصیات کا احاطہ ضروری ہے جن سے اس صنف کی شناخت وابستہ ہے۔

شاعر کا تعارف:- صنف کے تعارف کے ساتھ ساتھ شاعر یا مصنف کا تعارف بھی ضروری ہے، اس لیے کہ شاعر کی شخصیت، مزاج ونفسیات اس کے حالات، اس کا ماحول، اس کا عہد بھی فن پارے کی تحسین وتفہیم میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

فن پارے میں مستعمل شعری امور کی تشریح ووضاحت:- متن میں ایسے بہت سے شعری ذرائع مثلاً تشبیہ، استعارہ، علامت، تلمیح وغیرہ اور بعض ایسی اصطلاحیں اور تہذیبی ومعاشرتی امور موجود ہوتے ہیں جن کی وضاحت وصراحت کے بغیر متن کا مفہوم واضح نہیں ہو پاتا۔ ایسے تمام الفاظ، اصطلاحات، بدیع وبیان وغیرہ کی وضاحت ضروری ہے۔

4 مشکل الفاظ:- تحریری متن میں لفظ کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔ ایک ایک لفظ اپنے اندر جہانِ معانی رکھتا ہے۔ اس سے معنے کی بے شمار تہیں لپٹی ہوتی ہیں۔ اس لیے جب تک لفظ کے معانی کا پتا نہ ہو مفہوم تک رسائی ممکن نہیں۔ اس لیے ایسے تمام لفظوں کے سیاقی Contextual معنی لکھنا ضروری ہے جو کسی متن میں پہلی بار آرہے ہیں اور جو مشکل ہیں۔

عام طور پر لفظ تین صورتوں میں نظر آتے ہیں۔

ا۔ مفرد ۲۔ مرکب، اور محاورات وضرب الامثال کی شکل میں — اس لیے ان تینوں طرح کے الفاظ کے معنی (سیاقی معنی) درج کیے جائیں تا کہ متعلم استاد کی غیر موجودگی میں بھی متن کو سمجھنے کی سعی کر سکے اور استاد بھی ان سے رہنمائی حاصل کر سکے۔

5۔ مشق:- متن سمجھ میں آیا یا نہیں، فن پارے کی لسانی خوبیاں واضح ہوئیں یا نہیں، اس کی ساخت کی باریکیاں اُجاگر ہوئیں یا نہیں، موضوع کی نفسیاتی گرہیں کھلیں یا نہیں، معاشرتی وثقافتی پہلو روشن ہوئے یا نہیں، اسلوب کا حسن سامنے آیا نہیں، شاعر کا پیغام طالب علم تک پہنچا یا نہیں، وغیرہ سوالوں کے جواب جاننے کے لیے ضروری ہے کہ نصاب میں مشق کا التزام کیا جائے۔ یہاں کچھ اہم مشقوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جن سے فن پارے کی تحسین، تفہیم اور تقویم میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔ مثلاً

— موضوعاتی مشق The matic Exercise

ـــ تفہیمی مشق	Comperher sive Exercise
ـــ تہذیبی ومعاشرتی امور کی مشق	Socio cultural Excercise
ـــ ساختیاتی مشق	Structural Excercise
ـــ اسلوبیاتی مشق	Stylistics Excercise
ـــ قواعدی مشق	Grammitical Excercise
ـــ عروضی مشق	Prosodical Excercise
ـــ بلاغتی مشق	Retorical Excercise

موضوعاتی مشق :- متعلم کی رسائی موضوع اور موضوع کے مختلف پہلوؤں تک ہوئی یا نہیں اس کی جانچ پرکھ کے لیے دوطرح کے سوال کیے جاسکتے ہیں۔

1۔ایسے سوالات جن کا جواب ایک جملے میں دیا جاسکے

2۔اور ایسے سوالات جن کا جواب ایک سے زائد جملوں میں۔مثلاً اگر اقبال کی نظم ''نیا شوالہ'' داخلِ نصاب ہے تو اس کی موضوعاتی مشق کے ضمن میں باترتیب اس طرح کے سوال پوچھے جاسکتے ہیں۔

سوال :- دھرتی کے باسیوں کی مکتی کس چیز میں ہے؟

سوال :- شاعر برہمن کو مخاطب کر کے یہ کیوں کہتا ہے کہ تیرے صنم کدوں کے بت پرانے ہوگئے؟

پہلے سوال کا جواب ایک جملے میں دیا جاسکے گا اور دوسرے سوال کے لیے ایک سے زیادہ جملے استعمال کرنے پڑیں گے۔

تفہیمی مشق :- تفہیمی مشق میں فن پارے کی تشریح،تعبیر،تفہیم،تنقید وغیرہ سے متعلق سوالات ہوسکتے ہیں۔اس مشق میں درج ذیل امور پر توجہ مرکوز کی جاسکتی ہے۔

ـــ مرکزی خیال	Central Idea
ـــ خلاصہ	Summary

—تشریح Explaination

تہذیبی ومعاشرتی مشق:- اس ضمن میں تہذیب ومعاشرت سے متعلق سوالات پوچھے جاسکتے ہیں تاکہ فن پارے میں مستعمل تہذیبی ومعاشرتی عناصر کے سیاق و سباق معلوم ہوسکیں۔متعقلہ تہذیب ومعاشرت کے امتیازات وخصائص کا پتا چل سکےجن کے زیرِ اثر کوئی مخصوص تخلیق وجود میں آتی ہے یاجن کے اثرات کسی خاص نوعیت کے فن پارے کوجنم دیتے ہیں۔

ساختیاتی مشق:- ساختیاتی مشق کا مقصد یہ ہے کہ اس سے کسی فن پارے کی ساخت کاایک ایک پہلواُجاگر ہوسکے۔لفظ کاتخلیقی رول سامنے آسکے۔ترکیب وترتیب کی معنویت ابھر سکے۔تناسب وتوازن کا کمال دکھائی دے سکے۔قواعدی ترتیب اورشعری ترتیب کافرق واضح ہوسکے۔ساتھ ہی شعری ترتیب سے پیداہونے والاحسن نظرآسکے۔

اسلوبیاتی مشق:- اندازِ بیان کے طریقوں،اظہارکے وسیلوں اورموضوع کے پیش کش کے پیرایوں کوسمجھنے،ہیئت کی صورتوں کوجاننے اورتکنیک کی باریکیوں سے واقف ہونے کے لیے اسلوبیاتی مشق ضروری ہے۔اِسی سے مرزاغالب کے’’اندازِ بیاں اور‘‘ کااندازہ ہوتاہے۔میؔر کے انداز کے خط وخال اسی سے نمایاں ہوتے ہیں اور ایک رنگ کے مضمون کوسورنگ سے کس طرح باندھاجاتاہے،یہ رازبھی اِسی سے کھلتاہے۔ اسلوبیاتی مشق میں خاص طورسے درج ذیل تین باتوں پردھیان دیاجاتاہے۔

—پیرایۂ اظہار

—ہیئت

—تکنیک

قواعدی مشق:- قواعدی مشق،زبان اورقواعد کے رشتے کوسمجھنے اوربیان کودرست،چست،زوردار اورباا ثر بنانے والے اصولوں کوجاننے اورپرکھنے کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے،اس مشق میں مترادفات ومتضادالفاظ،واحد جمع،تذکیروتانیث اوراجزائے کلام سے متعلق سوال پوچھے جاتے ہیں۔

عروضی مشق:- قافیہ شناسی، ردیف کی پہچان، اوزان و بحور کی شناخت، صوت و آہنگ کی جادوگری اور قوافی و ردیف سے پھوٹنے والی موسیقی کے زیر و بم کو سمجھنے کے لیے عروضی مشق ضروری ہے۔

بلاغتی مشق:- بلاغتی مشق بدیع و بیان کے حسن و قبح کو پرکھتی ہے۔ شعری محاسن کی سمجھ پیدا کرتی ہے۔ شعری معائب کی تمیز بخشتی ہے۔

تدریسی فضا:- اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوئی کام بغیر کسی دباؤ، بوجھ اور رکاوٹ کے بحسن و خوبی تکمیل پا جائے تو اس کام کو کھیل بنا دیجئے۔ کام کو کھیل بنا دینے سے مراد یہ ہے کہ اسے ایسا کر دیجیے کہ کرنے والے کے لیے اس میں کشش اور دلچسپی پیدا ہو جائے اور وہ بنا کسی دباؤ، بوجھ، تردّد اور تھکن کے احساس کے اسے کرنے کے لیے نہ صرف آمادہ ہو جائے بلکہ اس کام کے کرنے میں اسے لطف و انبساط بھی محسوس ہونے لگے، اسے مزا آنے لگے۔

تدریس کا کام بھی کھیل بن جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں دلچسپی کے سامان پیدا کر دیے جائیں۔ اسے ایسا کر دیا جائے کہ وہ پُرکشش اور دلفریب ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تدریسی فضا کی ضرورت ہے۔ تدریسی فضا کی نوعیت ویسی ہی ہے جو شبِ عروسی میں رنگ و نور اور خوشبو کی، قصیدے میں تشبیب کی اور عباداتِ خداوندی میں سورہ الحمد کے پہلے حصے کی۔ شبِ وصل میں لذّتِ وصل کے حصول کے لیے جس طرح رنگ، نور اور خوشبو اپنے صفات و کمالات سے جذبۂ نفسانی کو مشتعل کرتے ہیں اور ذہن و دل کو اکسا کر اصل کام کے لیے تیار کرتے ہیں۔ جس طرح تشبیب کے اشعار ممدح کی مدح سرائی سے قبل مدح کی فضا بناتے ہیں اور جس طرح نماز میں خدا سے یہ دعا ''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے۔ جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔''

کرنے سے قبل یہ کلمات ''تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے

مدد مانگتے ہیں۔''

خدا کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے ادا کیے جاتے ہیں تاکہ ایک ایسی فضا ہموار ہو جائے جس سے خداوند قدوس بندے پر واقعی مہربان ہو اور اپنی بخشش کے دروازے کھول دے، اسی طرح درس وتدریس کے مشاغل میں تدریسی فضا اپنے رنگ و آہنگ سے ایک ایسا ماحول اور موڈ بنا دیتی ہے کہ متعلم متن کی طرف خود بخود راغب ہو جاتا ہے۔

شاعری کی تدریس کے لیے یہ فضا خود شعروشاعری سے بھی تیار کی جاسکتی ہے۔ اُردو زبان وادب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ تدریسی فضا کے لوازمات خود اس کے اندر موجود ہیں، اس کے لیے کہیں دور جانے اور اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تدریسی فضا درج ذیل ذرائع سے تیار (Create) کی جاسکتی ہے۔

۱۔ بذریعۂ نظم

۲۔ بذریعۂ اشعار

۳۔ بذریعۂ واقعات واقوال

۴۔ بذریعۂ لسانی کھیل

بذریعۂ نظم:- اُردو میں ایسی بہت سی نظمیں موجود ہیں جن سے تدریسی فضا بنانے کا کام لیا جاسکتا ہے، خاص طور سے جو نظمیں اس ضمن میں معاون ہوسکتی ہیں، وہ ہیں:

— عشقیہ نظمیں

— مزاحیہ اور طنزیہ نظمیں

— خوش آہنگ اور مترنم نظمیں

— مشہور ومقبول نظمیں

عشقیہ نظمیں:- عشق ایک ایسا موضوع ہے جو ہر عمر کے مرد اور عورت کو مرغوب ہے، خصوصاً نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ بہت بھاتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں دل ودماغ کو گرمانے اور جذبات کو برانگیختہ کرنے کے سامان بدرجۂ اتم موجود ہوتے ہیں۔

عشقیہ نظمیں چوں کہ اپنے دامن میں وارداتِ حسن وعشق اور کیفیاتِ شباب سمیٹے ہوتی ہیں اس لیے یہ بہت جلد لوگوں کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرالیتی ہیں۔اس لیے تدریسی فضا تیار کرنے میں یہ نظمیں کافی معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔اتفاق سے اُردوشعروادب کا دامن اس طرح کی نظموں سے بھراپڑا ہے۔یہاں چند نظمیں بطورِنمونہ درج کی جارہی ہیں:

1۔ مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ۔ فیض احمد فیض

2۔ چارہ گر مخدوم محی الدین

3۔ متاعِ غیر ساحرلدھیانوی

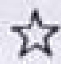
4۔ گرلز کالج کی لاری جاں نثاراختر

5۔ ایک لمحہ کیفی اعظمی

6۔ بازآمد اخترالایمان

7۔ جمال مسعودحسین خاں

8۔ نارسائی میراں جی



"مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ"

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات

ترا غم ہے تو غمِ دہر کا جھگڑا کیا ہے؟

تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات

تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے

یوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
ان گنت صدیوں کے تاریک بہیمانہ طلسم
ریشم و اطلس و کمخواب میں بنوائے ہوئے
جابجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے،ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم سے نکلے ہوئے امراض کے تنوروں سے
پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے
لوٹ جاتی ہے اِدھر کو بھی نظر کیا کیجئے
اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجئے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں، محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں، وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت، مری محبوب نہ مانگ

فیض احمد فیض



چارہ گر

اک چنبیلی کے منڈوے تلے
مے کدے سے ذرا دور اس موڑ پر
دو بدن
پیار کی آگ میں جل گئے
پیار حرفِ وفا
پیار ان کا خدا

پیار، ان کی چتا

دو بدن

اوس میں بھیگتے، چاندنی میں نہاتے ہوئے
جیسے دو تازہ رُو تازہ دم پھول پچھلے پہر
ٹھنڈی ٹھنڈی سبک رو چمن کی ہوا
حرفِ ماتم ہوئی
کالی کالی لٹوں سے لپٹ گرم رخسار پر
ایک پل کے لیے رک گئی
ہم نے دیکھا نہیں
دن میں اور رات میں
نور و ظلمات میں
مسجدوں کے مناروں نے دیکھا انھیں
مندروں کے کواڑوں نے دیکھا انھیں
مے کدوں کی دیواروں نے دیکھا انھیں
از ازل تا ابد
یہ بتا چارہ گر
تیری زنبیل میں
نسخۂ کیمیائے محبت بھی ہے
کچھ علاج و مداوائے الفت بھی ہے
اک چنبیلی کے منڈوے تلے
مے کدے سے ذرا دور اس موڑ پر
دو بدن چارہ گر!

☆

مخدوم محی الدین

متاعِ غیر

مرے خوابوں کے جھروکوں کو سجانے والی
تیرے خوابوں میں کہیں مرا گزر ہے کہ نہیں
پوچھ خوابوں میں کہیں مرا گزر ہے کہ نہیں
پوچھ کر اپنی نِگاہوں سے بتا دے مجھ کو
میری راتوں کے مقدر میں سحر ہے کہ نہیں
چار دن کی یہ رفاقت جو رفاقت بھی نہیں
عمر بھر کے لیے آزار ہوئی جاتی ہے
زندگی یوں تو ہمیشہ سے پریشان سی تھی
اب تو ہر سانس گراں بار ہوئی جاتی ہے

میری اجڑی ہوئی نیندوں کے شبستانوں میں
تو کسی خواب کے پیکر کی طرح آئی ہے
کبھی اپنی سی کبھی غیر نظر آئی ہے
کبھی اخلاص کی مورت کبھی ہر جائی ہے

پیار پر بس تو نہیں ہے مرا لیکن پھر بھی
تو بتا دے کہ تجھے پار کروں یا نہ کروں
تو نے خود اپنے تبسّم سے جگایا ہے جنھیں
ان تمناؤں کا اظہار کروں یا نہ کروں

تو کسی اور کے دامن کی کلی ہے لیکن
میری راتیں تری خوشبو سے بسی رہتی ہیں
تو کہیں بھی ہو ترے پھول سے عارض کی قسم
تری پلکیں مری آنکھوں پہ جھکی رہتی ہیں

ترے ہاتھوں کی حرارت ترے سانسوں کی نمی
تیرتی رہتی ہے احساس کی پہنائی میں
ڈھونڈتی رہتی ہیں تخئیل کی باہیں تجھ کو
سرد راتوں کی سلگتی ہوئی تنہائی میں

ترا اندازِ کرم ایک حقیقت ہے مگر
یہ حقیقت بھی حقیقت میں فسانہ ہی نہ ہو
تیری مانوس نگاہوں کا یہ محتاط کرم
دل کے خوں کرنے کا ایک اور بہانہ ہی نہ ہو

کون جانے مرے امروز کا فردا کیا ہے
قربتیں بڑھ کے پشیمان بھی ہوجاتی ہیں
دل کے دامن سے لپٹتی ہوئی آنکھیں نظریں
دیکھتے دیکھتے انجان بھی ہوجاتی ہیں

مری درماندہ جوانی کی تمناؤں کے
مضمحل خواب کی تعبیر بتادے مجھ کو
ترے دامن میں گلستاں ہیں، ویرانے بھی
مرا حاصل مری تقدیر بتادے مجھ کو

☆

ساحر لدھیانوی

ایک لمحہ

جب بھی چوم لیتا ہوں ان حسین آنکھوں کو
سو چراغ اندھیرے میں جھلملانے لگتے ہیں
خشک خشک ہونٹوں میں جیسے دل کھنچ آتا ہے
دل میں کتنے آئینے تھر تھرانے لگتے ہیں
پھول کیا، شگوفے کیا، چاند کیا، ستارے کیا
سب رقیب قدموں پر سر جھکانے لگتے ہیں
ذہن جاگ اٹھتا ہے، روح جاگ اٹھتی ہے
نقش آدمیت کے جگمگانے لگتے ہیں
لو نکلنے لگتی ہیں مندروں کے سینے سے
دیوتا فضاؤں میں مسکرانے لگتے ہیں
رقص کرنے لگتی ہیں مورتیں اجنتا کی
مدتوں کے لب بستہ غار گانے لگتے ہیں
پھول کھلنے لگتے ہیں اجڑے اجڑے گلشن میں
تشنہ تشنہ گیتی پر ابر چھانے لگتے ہیں
لمحہ بھر کو یہ دنیا ظلم چھوڑ دیتی ہے
لمحہ بھر کو سب پتھر مسکرانے لگتے ہیں

کیفی اعظمی



باز آمد

تتلیاں ناچتی ہیں
پھول سے پھول پہ یوں جاتی ہیں
جیسے اک بات ہو جو
کان میں کہتی ہو خاموشی سے
اور ہر پھول ہنسا پڑتا ہے سُن کر یہ بات

دھوپ میں تیزی نہیں
ایسے آتا ہے ہر اک جھونکا ہوا کا جیسے
دستِ شفقت ہو بڑی عمر کی محبوبہ کا
اور مرے شانوں کو اس طرح ہلا جاتا ہے
جیسے میں نیند میں ہوں

عورتیں چرخے لیے بیٹھی ہیں
کچھ کپاس اوٹتی ہیں
کچھ سلائی کے کسی کام میں مصروف ہیں یوں
جیسے یہ کام ہے دراصل ہر اک شے کی اساس
ایک سے ایک چُہل کرتی ہے
کوئی کہتی ہے "مری چوڑیاں کھنکیں تو کھنکاری مری ساس"
کوئی کہتی ہے "بھری چاندنی آتی نہیں راس"
رات کی بات سُناتی ہے کوئی ہنس ہنس کر

''لذّتِ وصل ہے آزار'' کوئی کہتی ہے
''میں تو بن جاتی ہوں بیمار'' کوئی کہتی ہے
میں گھسا آتا ہوں اس شیش محل میں دیکھو
سب ہنسی روک کے کہتی ہیں ''نکالو اس کو''

اک پرندہ کسی اک پیڑ کی ٹہنی پہ چہکتا ہے کہیں
ایک گاتا ہوا یوں جاتا ہے دھرتی سے فلک کی جانب
پوری قوت سے کوئی گیند اُچھالے جیسے
اک پھدکتا ہے ہر اک شاخ پہ جس طرح کوئی
آمدِ فصل بہاری کی خوشی میں ناچے
گوندنی بوجھ سے اپنے ہی جھکی پڑتی ہے
ناز میں جیسے ہے کوئی یہ بھری محفل میں
اور کل ہاتھ ہوئے ہیں پیلے

کوئلیں کوکتی ہیں
جامنیں پکی ہیں، باغوں پہ بہار آئی ہے
ارغنوں بجتا ہے یکجائی کا
نیم کے پیڑوں میں جھولے ہیں جدھر دیکھو اُدھر
ساونی گاتی ہیں سب لڑکیاں آواز ملا کر ہر سو
اور اس آواز سے گونج اٹھی ہے بستی ساری
میں کبھی ایک، کبھی دوسرے جھولے کے قریں جاتا ہوں
ایک ہی کم ہے، وہی چہرہ نہیں
آخرش پوچھ ہی لیتا ہوں کسی سے بڑھ کر

''کیوں حبیبہ نہیں آئی اب تک؟''
کھلکھلا پڑتی ہیں سب لڑکیاں سُن کر یہ نام
''لو یہ سپنے میں ہیں'' کہتی ہے کوئی
''باؤلی! سپنا نہیں شہر سے آئے ہیں ابھی''

دوسری ٹوکتی ہے
بات سے بات نکل چلتی ہے
''ٹھاٹ سے آئی تھی بارات'' چنبیلی نے کہا
''بینڈ باجا بھی تھا'' دیپا نے کہا
''اور دلہن پہ ہوا کتنا بکھیر''
کچھ نہ کچھ کہتی رہیں سب ہی مگر میں نے صرف
اتنا پوچھا وہ ندی بہتی ہے اب بھی کہ نہیں
جس سے وابستہ ہیں ہم اور یہ بستی ساری
''کیوں نہیں بہتی'' چنبیلی نے کہا
''اور وہ برگد کا گھنا پیڑ، کنارے اس کے؟''
''وہ بھی قائم ہے ابھی تک یونہی''

وعدہ کر کے جو حبیبہ نہیں آتی تھی کبھی
آنکھیں دھوتا تھا ندی میں جا کر
اور برگد کی گھنی چھاؤں میں سو جاتا تھا

ماہ و سال آتے چلے جاتے ہیں
فصل پک جاتی ہے، کٹ جاتی ہے
کوئی روتا نہیں اس موقع پر

حلقہ در حلقہ نہ آہن کو تپا کر ڈھالیں
کوئی زنجیر نہ ہو
زیست در زیست کا یہ سلسلہ باقی نہ رہے
بھیڑ بچوں کی ہے چھوٹی سی گلی میں دیکھو
ایک نے گیند جو پھینکی تو لگی آ کے مجھے
میں نے جا پکڑا اُسے، دیکھی ہوئی صورت تھی
''کس کا ہے؟''میں نے کسی سے پوچھا
''یہ جیبہ کا ہے!''رمضانی قسائی بولا
بھولی صورت پہ ہنسی آ گئی اس کی مجھ کو
وہ بھی ہنسنے لگا، ہم دونوں یونہی ہنستے رہے
دیر تک ہنستے رہے!!

تتلیاں ناچتی ہیں
پھول سے پھول پہ یوں جاتی ہیں
جیسے اک بات ہو جو
کان میں کہنی ہو خاموشی سے
اور ہر پھول ہنسا پڑتا ہے سُن کر یہ بات



جمال

مسعود حسین خان

کہاں سے آ گئیں رنگینیاں تمنا میں
کہ پھر خیال نے لالے کھلائے صحرا میں

تری نگاہ سے میری نظر میں مستی ہے
ترے جمال سے موجیں ہیں دل کے دریا میں

یہ ہو رہا ہے گماں تیرے جسمِ خوبی پر
بھٹک کے حور چلی آئی ہو نہ دنیا میں

نظر میں کچلے ہوئے موتیوں کی جھنکاریں
لبوں پہ رنگ جو ملتا ہے جام و مینا میں

وہ مسکراتے سے آنکھوں میں بے شمار کنول
وہ کسمساتی ادائیں تمام اعضا میں

نپا تلا سا تبسم، بچی ہوئی سی نظر
سَنی سَنی سے وہ پلکیں غبارِ سُرما میں

وہ نرم نیمہ سے کندن بدن کی رنگ ترنگ
بُنی ہوئی سی وہ کرنیں لباسِ زیبا میں

جو گوشے گوشے میں پنہاں ہے اس کے راہ گریز
خیال گم ہوا جاتا ہے قدِ رعنا میں

قدم قدم پہ وہی تمکنت کا ایک سوال
ہے کوئی دوسرا ہم سا سوادِ گنگا میں

بتا میں تجھ سے کہوں کیا بجز وہ شوق کی بات
کہ ڈال رکھا ہے جس کو جوازِ معنٰی میں

جمالِ یار لطیف آرزو ہے اس سے لطیف
یہ آئی ہے، نہ وہ آئے گا حرفِ سادہ میں



نارسائی

میراں جی

رات اندھیری، بن ہے سونا، کوئی نہیں ہے ساتھ
پون جھکولے پیڑ ہلائیں، تھر تھر کانپیں پات
دل میں ڈر کا تیر چبھا ہے، سینے پر ہے ہاتھ
رہ رہ کر سوچوں یہ کیسے پوری ہوگی رات

برکھا رُت ہے اور جوانی لہروں کا طوفان
پیتم ہے نادان، مرا دل رسموں سے انجان
کوئی نہیں جو بات سمجھائے، کیسے ہو سامان
بھگون! مجھ کو راہ دکھا دے، مجھ کو دے دے گیان

چپّو ٹوٹے، ناؤں پرانی، دور ہے کھیون ہار
بیری ہیں ندّی کی موجیں اور پیتم اس پار
سن لے سن لے دکھ میں پکارے اک پریمی لاچار
کیسے جاؤں، کیسے پہنچوں، کیسے جتاؤں پیار

کیسے اپنے دل سے مٹاؤں برہ اگن کا روگ
کیسے بجھاؤں پریم پہیلی، کیسے کروں سنجوگ
بات کی گھڑیاں بیت نہ جائیں دور ہے اس کا دیس
دور دیس ہے پیتم کا اور میں بدلے ہوں بھیس

مزاحیہ اورطنزیہ نظمیں:- دلچسپی قائم کرنے میں طنزومزاح کا بھی بہت اہم رول ہوتا ہے۔ہنسی مذاق کے موضوعات ذہن کوفوراًاپنی طرف متوجہ کرلیتے ہیں۔اس لیے تدریسی فضابنانے میں مزاحیہ اورطنزیہ نظمیں بھی بڑی حدتک معاوِن ثابت ہوسکتی ہیں۔اُردو میں ایسی بے شمار نظمیں لکھی گئی ہیں جن سے فضا آفرینی کا کام لیا جاسکتا ہے۔یہاں چند نظموں کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

۱۔	عشق کا پرچہ	دلاورفگار
۲۔	اسٹوڈنٹ کی فریاد	دلاورفگار
۳۔	شاعرِ اعظم	دلاورفگار
۴۔	لکھنوی شاعر کی دکنی بیوی	سلیمان خطیب
۵۔	ڈسکو۔	ساغرخیامی
۶۔	فیصلہ	ساغرخیامی
۷۔	مشورہ	ساغرخیامی



عشق کا پرچہ

محوِ حیرت ہوں کہ وہ سیڑ تھا کتنا خوش خیال
عشق کے بارے میں پوچھا جس نے پیپر میں سوال

ایسے ہی سیڑ اگر دوچار پیدا ہوگئے!
دیکھنا اس ملک میں فن کار پیدا ہوگئے

عام ہوگی عاشقی کالج کے عرض و طول میں
لیلیٰ و مجنوں نظر آئیں گے ہر اسکول میں

عشق کے آداب لڑکوں کو سکھائے جائیں گے
غیر عاشق جو ہیں وہ عاشق بنائے جائیں گے

عاشقوں کو علم میں پرفیکٹ سمجھا جائے گا
عشق اک کمپلسری سبجیکٹ سمجھا جائے گا

امتحاں ہوگا تو پوچھے جائیں گے ایسے سوال
اپنی محبوبہ کے بارے میں کچھ اظہارِ خیال

عشق اک سائنس ہے یا آرٹ سمجھا کر لکھو!
یا یہ دونوں عشق کا ہیں پارٹ سمجھا کر لکھو

عشق کتنے قسم کا ہوتا ہے لکھو با وثوق
فی زمانہ کیا ہیں عاشق کے فرائض اور حقوق

کچھ مثالیں دے کے سمجھاؤ یہ قولِ مستند
عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود

اپنے اندازہ سے طول شامِ تنہائی بتاؤ
صرف تخمیناً شب ہجراں کی لمبائی بتاؤ

کون سے آلہ سے دیکھیں حسنِ جانانہ لکھو
حسن کی مقدار جو ناپے وہ پیمانہ لکھو

سر کو کیا نسبت ہے سنگِ آستانِ یار سے
تم نے سر پھوڑا کبھی معشوق کی دیوار سے

آج اپنے ملک میں عاشق ہیں کتنے فی صدی
منتہی ان میں ہیں کتنے اور کتنے مبتدی

کیا مزہ ملتا ہے دل کو آہِ شعلہ یار سے
گرم نالے عرش پر جاتے ہیں کس رفتار سے

اپنی محبوبہ کو اک درخواست انگلش میں لکھو
اس سے یہ پوچھو جوابِ آرزو یَس ہے کہ نو

ایک تحقیقی مقالہ لکھ کے سمجھاؤ یہ بات
شاخِ آہو پر ہی کیوں رہتی ہے عاشق کی برات

کیا تعلق طبِّ یونانی کو ہے رومان سے
کمپیئر فرہاد و مجنوں کو کرو لقمان سے

چھوٹے چھوٹے نوٹس لکھو ذیل کے ٹاپکس پر
شامِ غم، شامِ جدائی، دردِ دل، دردِ جگر

مادرِ لیلیٰ نے تو لیلیٰ نہ بیاہی قیس کو!
تم اگر لیلیٰ کی ماں ہوتے تو کیا کرتے لکھو

وصل کی درخواست پر کس کی سفارش چاہیے
عشق کے پودے کو کتنے انچ بارش چاہیے

انڈیا کا ایک نقشہ اپنی کاپی پر بناؤ!
اور پھر اس میں حدودِ کوچۂ جاناں دکھاؤ

ایک عاشق تین دن میں چلتا ہے انیس میل
تین عاشق کتنے دن میں جائیں گے اڑتیس میل

آپ کر سکتے ہیں ان میں سے کوئی بارہ سوال
بدخطی کے پانچ نمبر ہیں رہے یہ بھی خیال

دلاور فگار

☆

اسٹوڈنٹ کی فریاد

(آٹھویں کلاس سے ایم اے تک کے بچّوں کے لیے)

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی کھیل میں غارت ہو خدایا میری

فلم میں میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
متوجہ میری جانب مدھوبالا ہو جائے

زندگی ہو مری نوشاد کی صورت یارب
فلم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

ہو مرا کام بزرگوں کو نصیحت کرنا
سٹھ گئے ہوں جو بزرگ ان کی مرمّت کرنا

میرے اللہ پڑھائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو

مجھ سے بالجبر کہا جاتا ہے پڑھ الجبرا
اس پہ تاکید کہ فریاد نہ کر مت گھبرا

اب کے نیّا کو مری پار لگادے مولیٰ
امتحاں میں پروموشن ہی دلادے مولیٰ

کیسے آساں ہوں یہ دشوار سے مضمون بتا
پاس ہوجاؤں جسے کھا کے وہ معجون بتا

کم سے کم اتنی خوشی میرے مقدر میں ہو
میں جو کنجی میں رٹوں بس وہی پیپر میں ہو

میری بگڑی ہوئی تقدیر بنادے مالک
نقل کرنے کی تدابیر بتادے مالک

یدِبیضا کو کبھی میں نے پیمبر لکھا
لن ترانی کو کبھی چیف منسٹر لکھا

میں زلیخا کو کبھی شاہدِ کمسن سمجھا!
شبِ ہجراں کو کبھی زوجۂ مومن سمجھا

مغل اعظم و برسات دکھانا مجھ کو
پرتھوی راج و دیوانند بنانا مجھ کو

عمر بھر مست رہوں کھاؤں پیوں عیش کروں
چیک تو مجھ کو دلادے میں اُنہیں کیش کروں

شوق کی تشنہ لبی کچھ تو بُجھادے مالک
کم سے کم جلوۂ ٹن ٹن ہی دکھادے مالک

کیا کروں گا میں یہ تعلیم کی دولت پاکر
میرے اللہ بنادے مجھے جانی واکر

علم کی دولتِ ارزاں میرے قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو عالم کی یہ وہ بِگل ہی نہیں

مجھ سے انگلش نہیں چلتی اسے ایزی کردے
بلکہ ممکن ہو تو، اُردو کو بھی ہندی کردے

پارسنگ اور انالِسس سے تو میں ڈر ہی گیا
سچ ہے جو کوئی گرامر میں گرا، مر ہی گیا

نقشہ بھرنے کا نیا رنگ نکالا میں نے
بھر دیا پیفک لوشن میں ہمالا میں نے

کیا ہوا ذہن اگر کند و غبی رکھتا ہوں
آگ رومان کی سینہ میں دبی رکھتا ہوں

کیا ہوا لوگ اگر مجھ کو گدھا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

☆

شاعرِ اعظم

کل اک ادیب و شاعر و ناقد ملے ہمیں
کہنے لگے کہ آؤ ذرا بحث ہی کریں

کرنے لگے یہ بحث کہ اب ہند و پاک میں
وہ کون ہے کہ شاعرِ اعظم جسے کہیں

میں نے کہا جگرؔ تو کہا ڈیڈ ہو چکے
میں نے کہا کہ جوشؔ، کہا قدر کھو چکے

میں نے کہا فراقؔ کی عظمت پہ تبصرہ
بولے فراقؔ شاعرِ اعظم ارا ارا

میں نے کہا کلامِ روشؔ لاجواب ہے
کہنے لگے کہ ان کا ترنم خراب ہے

میں نے کہا کہ فیضؔ تو بولے کہ ڈیڈ ہیں
میں نے کہا حفیظؔ تو بولے کہ پیڈ ہیں

میں نے کہا ترنمِ انورؔ پسند ہے؟
کہنے لگے کہ ان کا وطن دیوبند ہے

میں نے کہا کہ ساحرؔ و مجروحؔ و جاں نثارؔ
بولے کہ شاعروں میں نہ کیجئے انہیں شمار

میں نے کہا کہ رنگ نیا ہے نشورؔ کا
بولے خیال ٹھیک نہیں ہے حضور کا

میں نے کہا کچھ اور تو بولے کہ چپ رہو
میں چپ رہا تو کہنے لگے اور کچھ کہو

میں نے کہا کہ شادؔ تو بولے سٹائرسٹ
میں نے کہا ندیمؔ تو بولے کہ جرنلسٹ

میں نے کہا کہ ساغرؔ و آزادؔ، بولے نو
میں نے کہا رئیسؔ تو بولے کہ زود گو

میں نے کہا خمارؔ کہا فن میں کچے ہیں!
میں نے کہا کہ شادؔ تو بولے کہ بچے ہیں

میں نے کہا قمرؔ کا تغزل ہے دل نشیں
کہنے لگے کہ ان میں تو کچھ جان ہی نہیں

میں نے کہا نیازؔ تو بولے کہ عیب ہیں
میں نے کہا سرورؔ تو بولے کہ نکتہ چیں

میں نے کہا ظریفؔ تو بولے کہ گندگی
میں نے کہا سلامؔ تو بولے کہ بندگی

میں نے کہا فنا بھی بہت خوش کلام ہیں
بولے کہ راہِ نظم میں کچھ سُست گام ہیں

میں نے کہا کہ یہ جو ہیں محشر عنایتی
کہنے لگے کہ آپ ہیں ان کے حمایتی

میں نے کہا اثر تو کہا آوٹ آف ڈیٹ
میں نے کہا کہ نوح تو بولے کہ تھرڈ ریٹ

میں نے کہا کہ یہ جو دلاور فگار ہیں
بولے کہ وہ تو طنز و ظرافت نگار ہیں

میں نے کہا کہ طنز میں اک بات بھی تو ہے
بولے کہ اس کے ساتھ خرافات بھی تو ہے

میں نے کہا تو شاعرِ اعظم کوئی نہیں
کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی لازمی نہیں

میں نے کہا تو کس کو میں شاعر بڑا کہوں
کہنے لگے کہ میں بھی اسی کش مکش میں ہوں

پایانِ کار ختم ہوا جب یہ تجزیہ
میں نے کہا ''حضور؟'' تو بولے کہ شکریہ

☆

لکھنوی شاعر کی دکنی بیوی

شاعر

جشنِ غالب میں غزل آج سنائی ہے مجھے
وہ غزل میں نے کہی ہے کہ غزل جھوم اٹھے
شعر سنتے ہی اتر آتے ہیں پلکوں پہ نجوم
کہکشاں ٹوٹ پڑے، دل کا کنول جھوم اٹھے
دیدنی ہے مرے افکار کا یہ عکسِ جمیل
جیسے جمنا میں حسیں تاج محل جھوم اٹھے
کیا خیالات ہیں، کیا چیز ہے بولو بیگم
لال و یاقوت میں ہر شعر کو تولو بیگم
تم تو بیٹھی ہو فقط ہاتھ میں لہسن لے کر
کبھی ادرک، کبھی مرچیں، کبھی بیگن لے کر
چڑھ گیا آپ کا کس بات پہ پارہ بیگم
اماں کچھ جرم بتاؤ نا ہمارا بیگم
بی جمالو نے کہیں آگ لگائی تو نہیں
کسی کمبخت نے بے پر کی اُڑائی تو نہیں

بیوی

چپکے بیٹھو جی! تمے خالی فقط تل منڈی
اچھا ہوتا ہے تمے کر کو مکرنا معلوم
ننھے پاپا ہیں، تمے کاں تو بی دنیا دیکھیں
منہہ انگلی رکھو کٹ کر کو کترنا معلوم
کاں سے بیٹھا تھا نصیباں میں یہ شاعر اجڑو
کیا کلیجے کو مرے جی کو جلا دیتا ہے
باتاں باتاں میں اصل بات اڑا دیتا ہے
پیسے پوچھوں تو فقط شعر سنا دیتا ہے
شاعری کرنا تجھے کون سکھا کر چھوڑے
اچھے خاصے مرے ادمی کو کھپا کر چھوڑے
اِنوں گھل گھل کو مرو، قاط کے چچے گھولو
دانے پچھروج نکو، سوپاں میں بالو رولو
کتے رونے لگو، دروازے پہ گھگھو بولو
گھر کے دیوالاں گرو دھابے کے جنتے کھولو

شاعر

یہ بھی اندازِ بیاں کتنا ہے پیارا بیگم
اسی اندازِ بیاں نے ہمیں مارا بیگم
تم پہ قربان سمرقند و بخارا بیگم
واہ کیا خوب مکرّر ہو، دوبارہ بیگم
باتیں کرتی ہو تو کھل جاتے ہیں غنچوں کے دہن
جیسے ظلمات میں در آتی ہے سورج کی کرن
جیسے بوتل کسی ساغر سے کھنک جاتی ہے
روحِ مے خوار تڑپتی ہے، پھڑک جاتی ہے
آگے محرابِ بہاراں میں صدا دیتی ہو
درِ میخانہ کی زنجیر ہلا دیتی ہو

لبِ لعلیں کا تحرک ہے کہ آثارِ شفق

بیوی

تے اسپیچ مرے بات کو شعراں جوڑے ۔۔۔ کیا نزاکت سے اجی ڈول کو پاپڑ توڑے
شاعری ماٹھی پڑو جان کا جوکھم ہوگئی ۔۔۔ کھیت باڑی کرو، دھندا کرو، بیچو گھوڑے

شاعر

کیا کڑی ٹھنڈ ہے دروازہ تو کھولو بیگم ۔۔۔ کچھ ستانے کی بھی حد ہوتی ہے، بولو بیگم
کوئی نوکر نہیں، در پہ تمہارے بیٹھیں ۔۔۔ تم بھی انساں ہو ذرا دل کو ٹٹولو بیگم

بیوی

پڑے پانی میں مرو کنڈی لگا کے بیٹھیوں ۔۔۔ کتے ناسور کلیجے میں چھپا کے بیٹھیوں
کتے تارے مرے پلکاں سے اتر کر ڈھونڈے ۔۔۔ خالی دیدے میں درو جے پو لگا کو بیٹھیوں
کس کے چکراں میں پھرا کرتا ہے ای گلی ۔۔۔ رات کے بارہ بجے آتا ہے جھابر جھلّی

سلیمان خطیب



یوں پھنس گیا ہے آدمی ڈسکو کے دام میں ۔۔۔ ڈسکو کی مے ہے حفظِ مراتب کے جام میں
تبدیلیاں یہ آئیں گی اب احترام میں ۔۔۔ ڈسکو کریں گے باپ کو بیٹے سلام میں

اگنی کے ساتھ پھیرے نہ پنڈت پھرائیں گے
دولھا دلہن کو مولوی ڈسکو کرائیں گے



فیصلہ

کہا اک نوجواں لڑکی نے یہ اپنی سہیلی سے
یہ میرا فیصلہ ہے
کہ جب تک عمر میری بیس سے اوپر نہیں ہوتی
مری شادی نہیں ہوگی
کہا ترے سہیلی نے
مرا بھی فیصلہ سن لے
کسی اسمارٹ سے
جب تک مری شادی نہ ہو جائے
تو میری عمر بھی
انیس سے اوپر نہیں ہوگی

مشورہ

کسی خاتون نے اپنی پڑوسن سے کہا اک دِن
سنا ہے
تم پرائی عورتوں سے اپنے شوہر کی شکایت کرتی پھرتی ہو
یہ بات اچھی نہیں آپا، نہایت نامناسب ہے
مجھے دیکھو
مرا شوہر گدھا ہے
ایڈیٹ ہے وہ لفنگا ہے
نرا الو ہے، بدھو ہے نکما ہے
مگر تم ہی کہو
میں نے کسی سے آج تک اس کی شکایت کی

خوش آہنگ اور مترنم نظمیں:- دلوں کو مسحور اور دماغوں کو متوجہ کرنے کا ایک کارگر طریقہ خوش آہنگی اور ترنم بھی ہے۔ تدریسی فضا بنانے میں ان نظموں کا سہارا بھی لیا جا سکتا ہے جن میں موسیقی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ اُردو میں ایسی نظموں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ نمونے کے طور پر یہاں کچھ نظمیں پیش کی جا رہی ہیں۔

چنچل	میرا جی
ناگ سبھا کا ناچ	میرا جی
رقص	یوسف ظفر
ناچ	قیوم نظر
دو یہ بانی	غضنفر

چنچل

کبھی آپ ہنسے، کبھی نین ہنسیں، کبھی نین کے بیچ ہنسے کجرا
کبھی سارا سندرا نگ ہنسے، کبھی رنگ رکے، ہنس دے گجرا
یہ سندرتا ہے یا کوِتا، میٹھی میٹھی مستی لائے
اس روپ کے ہنستے ساگر میں ڈگمگ ڈولے من کا بجرا
یہ موہن مدھ متوالی ہے، یہ مئے خانے کی چنچل ہے
یہ روپ لٹائی ہے سب میں، پر آدھے منہہ پر آنچل ہے
کیا ناز انوکھے اور نئے سیکھے اندر کی پریوں سے
اور ڈھنگ منوہر اور زہری سوجھے ساگر کی پریوں سے
پہلے سپنے میں آئی ہے، پازیبوں کی جھنکاروں میں
آوارہ کر کے چین مرا، چھپ جاتی ہے سیاروں میں

میرا جی

☆

ناگ سبھا کا ناچ

ناگ راج سے ناگ راج سے ملنے جاؤں آج
ناگ راج ساگر میں بیٹھے سر پر پہنے تاج
ناگ راج کی سبھا جمی ہے، خوشبوئیں لہرائیں
بہتی رکتی، الجھتی جاتی، من کو مست بنائیں
چندرماں کی کرنیں آئیں، بل کھائیں، لہرائیں
ننھے ننھے، ہلکے ہلکے، بیٹھے گیت سنائیں
گاتے گاتے سوتی جائیں، سوئیں سکھ کی نیند
ناگ سبھا میں ہلکی ہلکی، میٹھی میٹھی نیند
کچھ گھڑیاں یوں بیتیں اور پھر سنکھ بجائیں ناگ
وحشی اور بے باک انوکھے نغمے لائیں ناگ
سوتی کرنیں جاگ اٹھیں اور ناچیں سندر ناچ
دیوداسی یاد آجائے ہاں، اور مندر، ناچ
ناگ سبھا کے ناچ انوکھے، سارا ساگر ناچ
میرا من بھی بنتا جائے دیکھ دیکھ کر ناچ

میرا جی



رقص

چاندنی شب میں مری مرمر کی ناگن رقص کر
پھر اسی دُھن میں، اُسی گت پر چھنا چھن رقص کر

چھن چھن چھنا چھن رقص کر مرمر کی ناگن رقص کر
طلبہ کہے دُھن دُھن دھمک چھا گل کہے چھو چھا چھمک
آنکھوں کے تارے ناچ جائیں گت کے سہارے ناچ جائیں
ہوں رقص میں یوں انگلیاں جیسے لچکتی کہکشاں
تیکھی نگاہیں رقص میں چاندی کی باہیں رقص میں
رُک اور رُک کر جھوم جا دیکھ اس طرف اور گھوم جا
گردن کو مٹکا کر دِکھا آنکھوں کو شرما کر دِکھا

چھن چھن چھنا چھن رقص کر
مرمر کی ناگن رقص کر
بال بکھرا کر ذرا باہیں اٹھا کر رقص کر
یوں نہیں ترچھی نظر سے مسکرا کر رقص کر
ہاں ہاں مٹک کر۔ رقص کر گیسو جھٹک کر رقص کر
سینے کو بل دے ناچ جائے پاس آ کے چل دے ناچ جائے

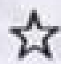
....

پھر اک طرف کو جھک کے چل ہو جھیل میں جیسے کنول
پھر لب نہیں انگلی اٹھے دل کی تمنا جی اٹھے

خاموش لے میں گائے جا شمع نظر اکسائے جا
چکرا کے اک دم بیٹھ جا چھم چھم چھما چھم بیٹھ جا

چھن چھن چھنا چھن رقص کر
مرمر کی ناگن رقص کر

(یوسف ظفرؔ)



ناچ

چھن چھنا چھنن چھنن

ڈھل رہا ہے بانکپن

ناچ ناچ سحرِ فن

ساز کی صداؤں پر

ہاتھ، آنکھ، لب ہلیں

حسن کی حدیں ملیں

ذوقِ ناز سے گزر

جسم و جان ایک کر

سرخوشی کے طور ناچ

ناچ، ناچ اور ناچ

پاؤں ملیں تھکن نہ ہو

انگلیوں میں دم رہے

فرقِ پیچ وخم رہے

کیفِ زیر و بم رہے

پاؤں میں تھکن نہ ہو

ڈگمگا نہ شمعِ نو

تھرتھرا رہی ہے لو

جل رہی ہے زندگی

بس یہی ہے زندگی

زندگی کا دور ناچ

ناچ ناچ اور ناچ

(قیوم نظر)

دو یہ بانی

سنو کہ مجھ میں چھنن چھنا چھن
سنو کہ مجھ میں جھنن جھنا جھن
سنو کہ مجھ میں کھنن کھنا کھن
سنو کہ مجھ میں ٹنن ٹنا ٹن
سنو کہ مجھ چھم چھم چھم چھم
سنو کہ مجھ میں جھم جھم جھم جھم
سنو کہ مجھ میں نادِھن دِھنا
سنو کہ مجھ میں تاتِن تِنّا
سنو کہ مجھ میں دِھنک دِھنک دِھن
سنو کہ مجھ میں سارے گا ما
سنو کہ مجھ میں پا دھا نی سا
سنو کہ مجھ میں زن زن زن زن
سنو کہ مجھ میں سَن سَن سَن سَن
سنو کہ مجھ میں کوٗ کوٗ کوٗ کوٗ
سنو کہ مجھ میں پیہو پیہو
سنو کہ من کا پتھر پگھلے
سنو کہ تن سے کانٹا نکلے
سنو کہ ٹانکا سِل سِل جائے
سونکہ جیرا کِھل کِھل جائے
سنو کہ نَس نَس میں سُر بولے
سنو کہ سُن کر تن من ڈولے

غضنفر

مشہور و مقبول نظمیں:- اُردو کی وہ نظمیں، جو اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر خواص و عوام دونوں میں یکساں طور پر مشہور ہیں اور مختلف محفلوں میں بار بار پڑھی جاتی ہیں اور جو اپنے موضوع، اور فنی خوبیوں سے دلوں کو مست کردیتی ہیں اور رگ وپے میں کیف ونشاط بھر دیتی ہیں،...... تدریسی فضا کو بنانے میں نمایاں کردار ادا کرسکتی ہیں، اُردو کی مشہور و مقبول نظموں میں سے یہاں چند کو یکجا کیا جارہا ہے۔

	نظم	شاعر
۱۔	آدمی نامہ	نظیر اکبرآبادی
۲۔	مٹی کا دیا	مولانا حالی
۳۔	ترانۂ ہندی	سر محمد اقبال
۴۔	ٹھنڈی انگلیاں	جوش ملیح آبادی
۵۔	آوارہ	مجاز لکھنوی
۶۔	تنہائی	فیض احمد فیض
۷۔	تاج محل	ساحر لدھیانوی
۸۔	ہم ایک ہیں	جاں نثار اختر
۹۔	نوالا	سردار جعفری
۱۰۔	تبدیلی	اختر الایمان
۱۱۔	سوداگر	خلیل الرحمان اعظمی
۱۲۔	بارھواں کھلاڑی	افتخار عارف
۱۳۔	ایکتا	شاذ تمکنت
۱۴۔	آٹوگراف	مجید امجد
۱۵۔	عہدِ حاضر کی دلربا مخلوق	شہریار
۱۶۔	تبدیلی	زبیر رضوی

☆

آدمی نامہ

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآں اور نمازیاں اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو اِن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دوکانیں لگا لگا اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لارے لا کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہیں بے بہا اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہوگیا
کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا
بد شکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینہ سے لے شاہ تا وزیر ہیں آدمی ہی صاحبِ عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر اکبرآبادی

☆

مٹّی کا دیا

جھٹپٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا ایک بڑھیا نے سرِ رہ لاکے روشن کر دیا
تا کہ رہ گیراور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں راہ سے آساں گزر جائے ہراک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور فانوس سے روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سُرخ رو آفاق میں وہ رہ نما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

حالی پانی پتی

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جس کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کیا بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا
اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

سر محمد اقبال

☆

ٹھنڈی انگلیاں

سرد انگلی اپنے مفلس باپ کی پکڑے ہوئے   روررہا ہے ایک بچہ اک دکاں کے سامنے
اک کھلونے کی طرف انگلی اٹھا کر بار بار   کچھ نہیں کہتا ہے لیکن رو رہا ہے زار زار
باپ کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں ہے دنیا سیاہ   رخ پہ گردِ مفلسی ہے جیب خالی پر نگاہ
دل ہوا جاتا ہے بچے کے بلکنے سے فگار   کہہ رہا ہے زیرِ لب فریاد اَے پروردگار

واہ کیا تقدیر ہے اِس بندۂ مظلوم کی
ہو چلی ہیں انگلیاں ٹھنڈی میرے معصوم کی

جوش ملیح آبادی



آوارہ

شہر کی رات اور میں ناشاد و ناکارہ پھروں
جگمگاتی جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں
ہند کی بستی ہے کب تک در بدر مارا پھروں
اے غمِ دل کیا کروں اے وحشتِ دل کیا کروں

جھلملاتے قمقموں کی راہ میں زنجیر سی
رات کے ہاتھوں میں دن کی موہنی تصویر سی
میرے سینے پر مگر رکھی ہوئی شمشیر سی!
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں

یہ رو پہلی چھاؤں یہ آکاش پر تاروں کا جال
جیسے صوفی کا تصور، جیسے عاشق کا خیال
آہ لیکن کون جانے، کون سمجھے جی کا حال
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں

پھر وہ ٹوٹا اک ستارہ پھر وہ چھوٹی پھلجھڑی
جانے کس کی گود میں آئی یہ موتی کی لڑی
ہوک سی سینے میں اُٹھی، چوٹ سی دل پر پڑی
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں

رات ہنس ہنس کر یہ کہتی ہے کہ میخانے میں چل
پھر کسی شہنازِ لالہ رخ کے کاشانے میں چل
یہ نہیں ممکن تو پھر اے دوست ویرانے میں چل
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں

ہر طرف بکھری ہوئی رنگینیاں، رعنائیاں
ہر قدم پر عشرتیں لیتی ہوئی انگڑائیاں
بڑھ رہی ہیں گود پھیلائے ہوئے رسوائیاں
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں

راستے میں رک کے دم لے لوں مری عادت نہیں
لوٹ کر واپس چلا جاؤں مری فطرت نہیں
اور کوئی، ہمنوا مل جائے یہ قسمت نہیں
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں

منتظر ہے ایک طوفانِ بلا میرے لیے
اب بھی جانے کتنے دروازے ہیں وا میرے لیے
پر مصیبت ہے مرا عہدِ وفا میرے لیے
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

جی میں آتا ہے کہ اب عہدِ وفا بھی توڑ دوں
اُن کو پاسکتا ہوں میں، یہ آسرا بھی توڑ دوں
ہاں مناسب ہے، یہ زنجیرِ ہوا بھی توڑ دوں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

اک محل کی آڑ سے نکلا وہ پیلا ماہتاب
جیسے مُلّا کا عمامہ، جیسے بنیے کی کتاب
جیسے مفلس کی جوانی، جیسے بیوہ کا شباب
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

دل میں اک شعلہ بھڑک اُٹھا ہے آخر کیا کروں
میرا پیمانہ چھلک اُٹھا ہے آخر کیا کروں
زخم سینے کا مہک اُٹھا ہے آخر کیا کروں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

جی میں آتا ہے یہ مردہ چاند تارے نوچ لوں
اِس کنارے نوچ لوں اور اُس کنارے نوچ لوں
ایک دو کا ذکر کیا، سارے کے سارے نوچ لوں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

مفلسی اور یہ مظاہر ہیں نظر کے سامنے
سینکڑوں سلطانِ جابر ہیں نظر کے سامنے
سینکڑوں چنگیز و نادر ہیں نظر کے سامنے
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

لے کے اک چنگیز کے ہاتھوں سے خنجر توڑ دوں
تاج پر اس کے دمکتا ہے جو پتھر توڑ دوں
کوئی توڑے یا نہ توڑے میں ہی بڑھ کر توڑ دوں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

بڑھ کے اس اندرسبھا کا ساز و سامن پھونک دوں
اس کا گلشن پھونک دوں اُس کا شبستاں پھونک دوں
تختِ سلطاں کیا، میں سارا قصرِ سلطان پھونک دوں
اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں

اسرارالحق مجازؔ



تنہائی

پھر کوئی آیا دلِ زار، نہیں، کوئی نہیں
راہ رو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سوگئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزار
گل کرو شمعیں، بڑھادو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

فیض احمد فیضؔ

تاج محل

تاج تیرے لیے اک مظہر الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیِ رنگیں سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے

بزمِ شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی؟
ثبت جس راہ میں ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اس پہ الفت بھری رُوحوں کا سفر کیا معنی؟

میری محبوب پسِ پردۂ تشہیرِ وفا
تو نے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مُردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا
ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے اُن کے
لیکن اُن کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مُفلس تھے
یہ عمارات و مقابر یہ فصیلیں یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں
سینۂ دہر کے ناسور ہیں کہنہ ناسور
جذب ہے ان میں ترے اور مرے اجداد کا خوں
میری محبوب! انہیں بھی تو محبت ہوگی!
جن کی صناعی نے بخشی ہے اسے شکلِ جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک ان پہ جلائی نہ کسی نے قندیل
یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارہ، یہ محل
یہ منقش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق
میری محبوب! کہیں اور ملا کر مجھ سے

(ساحرلدھیانوی)

☆

ہم ایک ہیں

ایک ہے اپنی زمین ایک ہے اپنا گگن
ایک ہے اپنا جہاں ایک ہے اپنا وطن
اپنے سبھی سکھ ایک ہیں اپنے سبھی غم ایک ہیں
آواز دو ہم ایک ہیں
یہ وقت کھونے کا نہیں یہ وقت سونے کا نہیں
جاگو وطن خطرے میں ہے سارا چمن خطرے میں ہے
پھولوں کے چہرے زرد ہیں زلفیں فضا کی گرد ہیں
امڈا ہوا طوفان ہے نرغے میں ہندوستان ہے
دشمن سے نفرت فرض ہے گھر کی حفاظت فرض ہے
بیدار ہو بیدار ہو آمادۂ پیکار ہو
آواز دو ہم ایک ہیں
اُٹھو جوانانِ وطن باندھے ہوئے سر سے کفن
اٹھو دکن کی اُور سے گنگ و جمن کی اور سے
پنجاب کے دل سے اٹھو ستلج کی ساحل سے اٹھو
مہاراشٹر کی خاک سے دہلی کے ارضِ پاک سے
بنگال سے، گجرات سے کشمیر کے باغات سے
بیغا سے، راجستھان سے کُل خاکِ ہندوستان سے
آواز دو ہم ایک ہیں
ہم ایک ہیں، ہم ایک ہیں

جاں نثار اختر

☆

نوالا

ماں ہے ریشم کے کار خانے میں
باپ مصروف سوتی مِل میں ہے
کوکھ سے ماں کی جب سے نکلا ہے
بچّہ کھولی کے کالے دل میں ہے
جب یہاں سے نکل کے جائے گا
کار خانوں کے کام آئے گا
اپنے مجبور پیٹ کی خاطر
بھوک سرمائے کی بڑھائے گا
ہاتھ سونے کے پھول اگلیں گے
جسم چاندی کا دھن لٹائے گا
کھڑکیاں ہوں گی بینک کی روشن
خون اس کا دیے جلائے گا
یہ جو ننھا ہے بھولا بھالا ہے
خونیں سرمائے کا نوالا ہے
پوچھتی ہے یہ اس کی خاموشی
کوئی مجھ کو بچانے والا ہے

سردار جعفری



تبدیلی

اس بھرے شہر میں کوئی ایسا نہیں
جو مجھے راہ چلتے کو پہچان لے
اور آواز دے ''اوبے او سر پھرے''
دونوں اک دوسرے سے لپٹ کہ وہیں
گرد و پیش اور ماحول کو بھول کر
گالیاں دیں ہنسیں ہاتھا پائی کریں
پاس کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھ کر
گھنٹوں اک دوسرے کی سنیں اور کہیں
اور اس نیک روحوں کے بازار میں
میری یہ قیمتی بے بہا زندگی
ایک دن کے لیے اپنا رخ موڑ لے

اخترالایمان



سوداگر

لو گجر بج گیا
صبح ہونے کو ہے
دن نکلتے ہی اب میں چلا جاؤں گا
اجنبی شاہراہوں پہ پھر
کاسۂ چشم لے لے کے ایک اک چہرہ تکوں گا
دفتروں کارخانوں میں، تعلیم گاہوں میں جا کر
اپنی قیمت لگانے کی کوشش کروں گا
میری آرام جاں
مجھ کو اک بار پھر دیکھ لو
آج کی شام لوٹوں گا جب
بیچ کر اپنے شفاف دل کا لہو
اپنی جھولی میں چاندی کے ٹکڑے لیے
تم بھی مجھ کو نہ پہچان پائیں تو پھر
میں کہاں جاؤں گا
کس سے جا کر کہوں گا کہ میں کون تھا؟
کس سے جا کر کہوں گا کہ میں کون ہوں؟

خلیل الرحمان اعظمی

☆

بارھواں کھلاڑی

خوشگوار موسم میں
ان گنت تماشائی
اپنی اپنی ٹیموں کو
داد دینے آتے ہیں
اپنے اپنے پیاروں کا
حوصلہ بڑھاتے ہیں
میں الگ تھلگ سب سے
بارھویں کھلاڑی کو
ہوٹ کرتا رہتا ہوں
بارھواں کھلاڑی بھی
کیا عجب کھلاڑی ہے
کھیل ہوتا رہتا ہے
شور مچتا رہتا ہے
داد پڑتی رہتی ہے
اور وہ الگ سب سے
انتظار کرتا ہے
ایک ایسی ساعت کا
ایک ایسے لمحے کا
جس میں سانحہ ہوجائے
پھر وہ کھیلنے نکلے
تالیوں کے جھرمٹ میں
ایک جملۂ خوش کن

ایک نعرۂ تحسین
اس کے نام پر ہو جائے
سب کھلاڑیوں کے ساتھ
وہ بھی معتبر ہو جائے
پر یہ کم ہی ہوتا ہے
پھر بھی لوگ کہتے ہیں
کھیل سے کھلاڑی کا
عمر بھر کا رشتہ ہے
عمر بھر کا یہ رشتہ
چھوٹ بھی تو سکتا ہے
آخری وسل کے ساتھ
ڈوب جانے والا دل
ٹوٹ بھی تو سکتا ہے
تم بھی افتخار عارف
بارھویں کھلاڑی ہو
انتظار کرتے ہو
ایک ایسے لمحے کا
ایک ایسی ساعت کا
جس میں حادثہ ہو جائے
جس میں سانحہ ہو جائے
تم بھی افتخار عارف
تم بھی ڈوب جاؤ گے
تم بھی ٹوٹ جاؤ گے

☆

ایکتا

وہ پورب ہو یا پچھم ہو، پھولوں کی مہک تو ایک سی ہے

ہر بیج خزانہ ہوتا ہے ہر مٹی سونا ہوتی ہے

ہر ساگر امرت ساگر ہے ہر سیپ کے دل میں موتی ہے

بکھرے ہوئے تارے لاکھ سہی، پر ان کی چمک تو ایک سی ہے

سب ایک گگن کے متوالے سب ایک زمیں کے پالے ہیں

سب ایک ہی سورج کی کرنیں سب ایک ہی چاند کے ہالے ہیں

وہ اتر ہو یا دکھن ہو ست رنگ دھنک تو ایک سی ہے

سکھ ہو تو دل کھل جاتے ہیں دکھ ہو تو آنکھ بھر آتی ہے

دکھ سکھ کی دنیا ایک ہی ہے تفریق دھری رہ جاتی ہے

پودے تو ہزاروں ہوتے ہیں ٹہنی کی لچک تو ایک سی ہے

وہ پورب ہو یا پچھم ہو، پھولوں کی مہک تو ایک سی ہے

شاذ تمکنت



آٹوگراف

کھلاڑیوں کے خودنوشت دستخط کے واسطے
کتابچے لیے ہوئے
کھڑی ہیں منتظر حسین لڑکیاں
ڈھلکتے آنچلوں سے بے خبر حسین لڑکیاں

مہیب پھاٹکوں کے ڈولتے کواڑ چیخ اُٹھے
اُبل پڑے اُلجھتے بازوؤں، چٹختی پسلیوں کے پُر ہراس قافلے
گرے، بڑھے، مڑے، بھنور ہجوم کے

کھڑی ہیں یہ بھی راستے پہ اک طرف بیاض آرزو بکف
نظر نظر میں نارسا پرستشوں کی داستاں
لرز رہا ہے دم بدم
کمان ابرواں کا خم
کسی عظیم شخصیت کی تمکنت
حنائی انگلیوں میں کانپتے ورق پہ جھک گئی
تو زرنگار پلوؤں سے جھانکتی کلائیوں کی تیز نبض رُک گئی

کوئی جب ایک نازِ بے نیاز سے
کتابچوں پہ کھینچتا چلا گیا

حروفِ کج تراش کی لکیر سی
تو تھم گئیں لبوں پہ مسکراہٹیں شریر سی

وہ باؤلر، وہ ایک مہوشوں کے جمگھٹوں میں گھر گیا
وہ صفحۂ بیاض پر
بصد غرورکلک گوہریں پھری
حسین کھلکھلاہٹوں کے درمیاں 'وکٹ' گری

میں اجنبی، میں بے نشاں
میں پابہ گِل
نہ رفعتِ مقام ہے، نہ شہرتِ دوام ہے
یہ لوحِ دل، یہ لوحِ دل
نہ اس پہ کوئی نقش ہے، نہ اس پہ کوئی نام ہے

مجید امجد



عہدِ حاضر کی دلربا مخلوق

زرد بلبوں کے بازوؤں میں اسیر
سخت، ہیجان، لمبی کالی سڑک
اپنی بے نور دھندلی آنکھوں سے
پڑھ رہی ہے نوشتۂ تقدیر

بند کمروں کے گھپ اندھیروں میں
بلّیاں پی رہی ہیں دودھ کے جام
ہوٹلوں سینما گھروں کے قریب
چمچماتی ہوئی نئی کاریں
اور پنواڑیوں کی دوکانیں
اور کچھ ٹولیاں فقیروں کی
پرس والوں کے انتظار میں ہیں

ادھ پھٹے پوسٹروں کے پیراہن
آہنی بلڈنگوں کے جسموں پر
کتنے دلکش دکھائی دیتے ہیں
بس کی بے حس نشستوں پر بیٹھی
دن کے بازار سے خریدی ہوئی
آرزو، غم، اُمید، محرومی

نیند کی گولیاں، گلاب کے پھول
کیلے امرود، سنگترے، چاول
پینٹ، گڑیا، شمیز چوہے دان
ایک اک شے کا کر رہی ہے حساب
عہدِ حاضر کی دلربا مخلوق

شہریار



تبدیلی

صبح دم جب بھی دیکھا ہے میں نے کہیں
ننھے بچوں کو اسکول جاتے ہوئے
رقص کرتے ہوئے گنگناتے ہوئے
اپنے بستوں کو گردن میں ڈالے ہوئے
انگلیاں ایک کی ایک پکڑے ہوئے

صبح دم جب بھی دیکھا ہے میں نے انھیں
ماَمتا ان کی راہوں میں سایہ کرے
ان کے قدموں میں خوشبو بچھایا کرے
دیوتا ان کے ہاتھوں کو چوما کریں
من ہی من ان کی باتوں پہ جھوما کریں

صبح دم جب بھی دیکھا ہے میں نے انھیں
میرا جی چاہتا ہے کہ میں دوڑ کر
ایک ننھے کی انگلی پکڑ کر کہوں
مجھ کو بھی اپنے اسکول لیتے چلو
تا کہ یہ تشنۂ آرزو زندگی
پھر سے آغازِ شوق سفر کر سکے

☆

زبیر رضوی

بذریعۂ اشعار:- نظموں کے علاوہ اشعار سے بھی تدریسی فضا قائم کی جاسکتی ہے۔اردو واحد زبان ہے جس میں ہر موضوع پر اور ہر ایک موقع اور محل کے لیے شعر مل جائے گا اور ایسے ایسے شعر ملیں گے جو روتے کو ہنسا دیں اور ہنستے ہوئے کو رلا دیں۔ جو غم کو مسرّت اور مسرّت کو غم میں تبدیل کر دیں۔ جو ذہن و دل میں کیف و انبساط بھر دیں۔ اردو میں یوں تو ہر طرح کے اشعار موجود ہیں مگر یہاں کچھ مخصوص رنگ و آہنگ کے شعر درج کیے جا رہے ہیں۔

۱۔رومانی یا عشقیہ اشعار: عشقیہ اشعار سے اردو شعر و ادب کا دامن بھرا پڑا ہے۔ حسن و عشق کا تو شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس پر شاعر کی نگاہ نہ پڑی ہو۔ عشقیہ اشعار ہر عمر کے لوگوں کو پسند آتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ان کے جذبوں کو چھیڑتے ہیں، دل میں امنگ بھرتے ہیں، رگ و پے میں کیف و مسرّت کی لہر دوڑا دیتے ہیں۔ نمونے کے طور پر یہاں کچھ اشعار درج کیے جا رہے ہیں۔ جن کی مدد سے اساتذہ کلاس روم میں درس و تدریس شروع کرنے سے پہلے ایک تدریسی خضا بنا سکتے ہیں جو یقیناً متعلم کو اسباقِ شاعری کے لیے آمادہ کر سکتی ہے۔

میرے شعروں سے بھی بڑھ کر تری صورت ہے حسیں
کس طرح تجھ کو میں اپناؤں مری زہرہ جبیں
تو مجھے چاہے نہ چاہے یہ ترے بس میں تو ہے
اور میں تجھ کو نہ چاہوں یہ مرے بس میں نہیں

ایک سے ایک حسیں دیکھا ہے گل بدن زہرہ جبیں دیکھا ہے
پھر بھی اے جانِ تمنّا تجھ سا میری آنکھوں نے نہیں دیکھا ہے

میں نے کہا کہ دیکھ یہ موسم یہ میں یہ رات
اس نے کہا کہ میری پڑھائی کا وقت ہے

محبت، عداوت، وفا، بے رخی
کرائے کے گھر تھے، بدلتے رہے

کوئی پھول سا ہاتھ کاندھے پہ تھا
مرے ہاتھ شعلوں پہ چلتے رہے

یوں ہی بے سبب نہ پھرا کرو، کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو

لان میں ایک بھی بیل ایسی نہیں جو دیہاتی پرندے کے پر باندھ لے
جنگلی آم کی جان لیوا مہک جب بلائے گی واپس چلا جائے گا

اک سمندر کے پیارے سے کنارے تھے ہم اپنا پیغام لائی تھی موجِ رواں
آج دو ریل کی پٹریوں کی طرح ساتھ چلنا ہے اور بولنا تک نہیں

کچھ اشارہ جو کیا اس نے ملاقات کے وقت
ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی رات کے وقت

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

کنڈی لگی چراغ بجھے چوڑیاں بجیں
کیا رات ہو رہا تھا بڑے اہتمام سے

بھیگ جاتی ہیں جو پلکیں کبھی تنہائی میں
کانپ جاتا ہوں مرا درد کوئی جان نہ لے
اور ڈرتا ہوں کہ ایسے میں اچانک کوئی
میری آنکھوں میں تجھے دیکھ کے پہچان نہ لے

لہرائی ہوئی زلفیں گرہ گیر تو دیکھو
دل کیوں نہ گرفتار ہو زنجیر تو دیکھو
پھر شوق سے کہہ لینا دیوانہ مجھے یارو
پہلے مرے محبوب کی تصویر تو دیکھو

دزدیدہ نگاہوں سے نہ دیکھو مجھ کو
وحشی ہے مرا دل یہ مچل جائے گا
بکھری ہوئی زلفیں جو ہٹائے رخ سے
زنجیر تمہیں قیدی ہے نکل جائے گا



مزاحیہ اورطنزیہ اشعار:

دلوں کو کھینچنے اور ذہنوں کو متوجہ کرنے میں طنزومزاح بھی کافی اہم رول ادا کرتے ہیں اس لیے تدریسی فضا بنانے میں مزاحیہ اور طنزیہ اشعار سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔اُردو میں اس طرح کے اشعار شاعروں کے دیوان میں بکھرے پڑے ہیں۔

یہاں کچھ نمونے پیش کیے جارہے ہیں۔

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اُڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

دیوانہ اس نے کردیا اک بار دیکھ کر
ہم کچھ بھی کر سکے نہ لگاتار دیکھ کر

خدا کے فضل سے عاشق مزاج میں بھی ہوں
یہ اور بات کہ ملاّ دکھائی دیتا ہوں

پہلے اس نے رس کہا، پھر گل کہا، پھر لے کہا
اس طرح ظالم نے رس گلّے کے ٹکڑے کردیے

چٹائی کی جگہ کیوں میکدے میں میز ہے ساقی
نہ میں انگریز ہوں ساقی نہ تو انگریز ہے ساقی

ہم نے سوچا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کم بخت ترا چاہنے والا نکلا

کب تک کھلائے گا تو قلابازیاں مجھے
عاشق ہوں مری جاں کوئی بندر نہیں ہوں میں

اس کو گناہ کرتے ہوئے میں نے جا لیا
پھر اس کے ساتھ میں بھی گنہ گار ہو گیا

آج سمجھا ترے رخسار پہ تل کا مقصد
دولتِ حسن پہ دربان بٹھا رکھا ہے

پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا
لو آج ہم بھی صاحبِ اولاد ہوگئے

موٹر پہ گھومتے تھے جو بابو بنے ہوئے
رکشا چلا رہے ہیں الیکشن میں ہار کے

آیا تھا گھر سے ایک جھلک دیکھنے تری
میں کھو کے رہ گیا ترے بچوں کے شور میں

مانا کہ تو ہے ساری خدائی کا فوج دار
بندہ خدا کا میں بھی ہوں تجھ کو خبر نہیں

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں
کیا ڈیڑھ چلو، پانی میں ایمان بہہ گیا

شربتِ دیدار مِل جائے کہیں اس فکر میں
ایک صاحب گھومتے پھرتے ہیں دل کا جگ لیے
ہو تو دلچسپی حسینوں سے مگر اتنا نہ ہو
جب کوئی صورت حسیں دیکھی تو پیچھے لگ لیے

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے
جان ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

یارب نگاہِ ناز پہ لائسنس کیوں نہیں
وہ بھی تو قتل کرتی ہیں تلوار کی طرح

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

برگد کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے
مغرب کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

کام نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے عشق کے

عشق نے غالب تکونا کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی چوکور تھے

شاید مجھے نکال کے پچھ کھا رہے ہیں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں

دل دے کے میں نے ان کو جب ہاتھ ان پہ رکھا
بولے کہ وہ تودل تھا فرمائیے یہ کیا ہے

ہوتے نہ لیکچرر تو کئی لوگ جعفری
ساحل پہ بیٹھ بیچتے چھولے دہی بڑے

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

قرض کی پیتے تھے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

کیا کہا؟ کس نے کہا؟ کس سے کہا؟ کب؟ کس گھڑی؟
کس جگہ؟ کس وقت؟ کس دم؟ آپ کا چرچا کیا

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر
اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کی جھنڈ پر

ہمسائی آئی تھی مرے گھر میں بنی ٹھنی
ان کو دیکھ رات اسی پر پھسل پڑے

کچھ جتاؤں جو محبت تو کہے ہے کہ تجھے
دیکھ تو کیسے چکھاتا ہوں محبت کے مزے

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا شیخ مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چاردن کی زندگی ہے کوفت سے کیافائدہ کھاڈبل روٹی کلرکی کرخوشی سے پھول جا

بولا دکان دار کہ کیا چاہیے تمہیں جو بھی کہوگے میری دکاں پروہ پاؤگے
میں نے کہا کہ کتے کے کھانے کا کیک ہے بولا یہیں پہ کھاؤگے یا لے کے جاؤگے

شاہینہ سے اک روز کہا میں نے کہ تجھ کو ملتی ہو اکیلی تو گزرتا ہے گماں اور
کہنے لگی ہم دونوں کا گھرایک ہے لیکن بیوی کا جہاں اور ہے شوہر کا جہاں اور

موقع ومحل والے اشعار:- مشہوردانشور خشونت سنگھ نے اپنے ایک اخباری کالم میں لکھا کہ اُردودنیا کی واحد ایسی زبان ہے جس میں ہرموقع ومحل کی مناسبت سے شعرموجود ہیں، واقعی یہ امتیازصرف اُردوکوحاصل ہے۔اس طرح کے شعروں سے بھی تدریسی فضابنانے کا کام لیاجاسکتا ہے۔یہاں کچھ نمونے درج کیے جارہے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بیماری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

آپ سے جھک کے جو ملتا ہوگا
اس کا قد آپ سے اونچا ہوگا

دیوار کیا گری مرے کچّے مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنالیے

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

آتی ہے اسی موج سے دریا میں روانی
جس موج کی تقدیر میں ساحل نہیں ہوتا

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہیں پایا تو کدھر جائیں گے

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

پی لیا کرتے ہیں جینے کی تمنا میں کبھی
ڈگمگانا بھی ضروری ہے سنبھلنے کے لیے

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

فانوس بن کے جس کی حفاظت خدا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے
اک معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

یہ دھوپ تو ہر رخ سے پریشان کرے گی
کیوں ڈھونڈ رہے ہو کسی دیوار کا سایہ

ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

گلاب ٹہنی سے ٹوٹا زمین پر نہ گرا
کرشمے تیز ہوا کے سمجھ سے باہر ہیں

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں

نہیں مایوس اب اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

دشمنی جم کرو لیکن یہ گنجائش رہے
دشمن کبھی جب دوست بن جائے تو شرمندہ نہ ہو

دھمک کہیں ہو لرزتی ہیں کھڑکیاں میری
گھٹا کہیں ہو ٹپکتا ہے سائبان میرا

اے موجِ بلا ان کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ایسے ویسے کیسے کیسے ہوگئے
کیسے کیسے ایسے ویسے ہوگئے

دل کا اجڑنا سہل سہی پر بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

کس نے بھیگے ہوئے زلفوں سے یہ جھٹکا پانی
جھوم کر آئی گھٹا ٹوٹ کر برسا پانی

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

چت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے
میں کہاں ہار ماننے والا

بہت مشکل ہے دنیا کا سنورنا
تری زلفوں کے پیچ و خم نہیں ہے

پتھر مجھے کہتا ہے مرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جیسے سوکھے ہوئے کچھ پھول کتابوں میں ملیں

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے

کاش تو بھی مری آواز کہیں سنتا ہو
پھر پکارا ہے تجھے دل کی صدا نے میرے

یہ کن نظروں سے تو نے آج دیکھا
کہ تیرا دیکھنا دیکھا نہ جائے

دیکھ کر جو ہمیں چپ چاپ گزر جاتا ہے
کبھی اس شخص کو ہم پیار کیا کرتے تھے

دل دُکھاتا ہے وہ مل کر بھی مگر آج کی رات
اسی بے درد کو لے آؤ کہ کچھ رات کٹے

کس توقع پہ کسی کو دیکھیں
کوئی تم سے بھی حسیں کیا ہوگا

آپ کو جاتے نہ دیکھا جائے گا
شمع کو پہلے بجھاتے جایئے

ہم لوگوں کی آنکھیں پلکیں راہ میں ہیں کچھ اور نہیں
شرماتی، گھبراتی گوری، اتراتی، اٹھلاتی جا

تیرے یہ کیا جی میں آئی کھینچ لیے شرما کے ہونٹ
ہم کو زہر پلوانے والی، امرت بھی پلواتی جا

گوری اس سنسار میں مجھ کو ایسا تیرا روپ لگے
جیسے کوئی دیپ جلا ہو گھور اندھیرے جنگل میں

پیار کی یوں ہر بوند جلادی میں نے اپنے سینے میں
جیسے کوئی جلتی ماچس ڈال دے پی کر بوتل میں

اشعار مرے یوں تو زمانے کے لیے ہیں
کچھ شعر فقط ان کو سنانے کے لیے ہیں

سوچو تو بڑی چیز ہے تہذیب بدن کی
ورنہ تو بدن آگ بجھانے کے لیے ہے

مدتیں گزریں تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

میں نے کہا کہ دیکھ یہ موسم، یہ میں یہ رات
اس نے کہا کہ میری پڑھائی کا وقت ہے

نہ اتنی تیز چلے سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتّا دکھائی دیتا ہے

ہم نے انسان کے دکھ درد کا حل ڈھونڈ لیا
کیا برا ہے جو یہ افواہ اُڑا دی جائے

یہ دوستی، یہ مروّت، یہ محبت، یہ خلوص
کبھی کبھی مجھے سب کچھ عجیب لگتا ہے

آج بھی جیسے شانے پر وہ ہاتھ مرے رکھ دیتی ہے
چلتے چلتے رک جاتا ہوں ساڑی کی دکانوں پر

اب یادِ رفتگاں کی بھی فرصت نہیں مجھے
یاروں نے اتنی دور بسائی ہیں بستیاں

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہوگئی ہے

ہر لیا ہے کسی نے سیتا کو
زندگی ہے کہ رام کا بن باس



موضوعاتی اشعار:-

اُردو میں موضوعاتی اشعار کی بھی کمی نہیں ہے۔ حسن، عشق، محبت، یاد، آنکھ، دھوپ، نگاہ، انتظار، شمع، پروانہ وغیرہ ہر موضوع پر کثرت سے اشعار لکھے گئے ہیں۔ ان اشعار کی مدد بھی تدریسی فضا بنانے میں لی جاسکتی ہے کچھ موضوعات پر نمونے کے طور پر کچھ اشعار جمع کیے جارہے ہیں۔

محبت:

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

مجھے معلوم ہے اہلِ وفا پر کیا گزرتی ہے
سمجھ کر سوچ کر تجھ سے محبت کررہا ہوں میں

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق

اک شہنشاہ نے بنوا کے حسیں تاج محل
ساری دنیا کو محبت کی نشانی دی ہے

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

محبت پر نہ ہرگز فتح پائی ابنِ آدم نے
کہ نفرت آج بھی انسان سے انسان کرتے ہیں

ابھی تو دل میں ہلکی سی خلش محسوس ہوتی ہے
بہت ممکن ہے کل اس کا محبت نام ہوجائے

محبت ایک خوشبو ہے ہمیشہ ساتھ چلتی ہے
کوئی انسان تنہائی میں بھی تنہا نہیں رہتا

یہ معجزہ بھی محبت کبھی دکھائے مجھے
کہ سنگ تجھ پہ گرے اور زخم آئے مجھے

ہم سے کیا ہوسکا محبت میں
خیر تم نے تو بے وفائی کی

محبت کی دنیا میں کھویا ہوا ہوں
محبت بھرا مجھ کو پائے گی دنیا

ہاں یاد مجھے تم کرلینا، آواز مجھے تم دے لینا
اس راہِ محبت میں کوئی در پیش جو مشکل آجائے

جب محبت کا نام سنتا ہوں
ہائے کتنا ملال ہوتا ہے

دھوپ:
کیا کیا گلاب کھلتے ہیں اندر کی دھوپ میں
آ مجھ سے مِل کے دیکھ دسمبر کی دھوپ میں

چھاؤں کے واسطے بنا تھا مگر
دھوپ دیتا تھا سائباں اپنا

یہ دھوپ تو ہر رخ سے پریشان کرے گی
کیوں ڈھونڈ رہے ہو کسی دیوار کا سایہ

دھوپ کے قہر کا ڈر ہے تو دیارِ شب سے
سر برہنہ کوئی پرچھائیں نکلتی کیوں ہے

آنکھ:

ٹھہری ہے تو اک چہرے پہ ٹھہری رہی برسوں
بھٹکی ہے تو پھر آنکھ بھٹکتی ہی رہی ہے

آنکھیں بتا رہی ہیں کہ جاگے ہو رات بھر
ان ساغروں میں بوئے شرابِ وصال ہے

آنکھ جس جانب تمہاری اٹھ گئی
رہ گئے لاکھوں کلیجہ تھام کے

دکھا کے مدھ بھری آنکھیں کہا یہ ساقی نے
حرام کہتے ہیں جس کو یہ وہ شراب نہیں

کیوں کر نہ خون ہو مری حسرت بھری نگاہ
آنکھوں میں کٹ گیا ہے زمانہ شباب کا

کوئی چڑھتا نہیں ہے آنکھوں میں
ہے جو صورت نگاہ میں تیری

آنکھ سے آنکھ جب نہیں ملتی
دل سے دل ہمکلام ہوتا ہے

یاد:

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

نہیں آتی جب اُن کی یاد تو برسوں نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

سب کچھ بھلا دیا ہے مگر اس کا کیا علاج
آئی جب ان کی یاد تو آنسو نکل پڑے

جی چاہتا تو بیٹھتے یادوں کی چھاؤں میں
ایسا گھنا درخت بھی جڑ سے اکھڑ گیا

لوبان میں چنگاری جیسے کوئی رکھ جائے
یوں یاد تری شب بھر سینے میں سلگتی ہے

طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

برسات کی اس رات میں اے دوست تری یاد
اک تیز چھری ہے جو اترتی چلی جائے

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا
ہم ترے جی سے ایسے بھول گئے

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں، میر باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائے گا

یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجئے
اس بھلائی کا ہے انجام برا یاد رہے

یاد کرنا ہر گھڑی اُس یار کا
ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا

یادِ ایام کی پروائیو دھیمے دھیمے
میر کی کوئی غزل گاؤ کہ کچھ رات کٹے

یاد آجاتی ہے جب تیرے تبسّم کی ہمیں
دیر تک دل میں چراغاں سا سماں رہتا ہے

یادوں میں چھپا کے پھر رہا ہوں میں
یادوں کے بجھے ہوئے اندھیرے

چند خوشیوں کی یاد آتی ہے
ایک بیمار کی ہنسی کی طرح

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

بے خودی میں بھی نہیں بھولے اسے
واہ کیا کہنا ہماری یاد کا

عشق:

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

یہ ہم سے نہ ہوگا کہ فقط ایک کو چاہیں
اے عشق ہماری نہ ترے ساتھ نبھے گی

عشق نے ہم کو نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

بلبل کے کار و بار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

الجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا

حسن اک خوابِ ناز ہے جس کے
چونک پڑنے کو عشق کہتے ہیں

چپکے چپکے اٹھ رہا ہے مدھ بھرے سینوں میں درد
دھیمے دھیمے چل رہی ہیں، عشق کی پروائیاں

دل:

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

تم نے کیا جانے کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

دل چیز کیا ہے آپ میری جان لیجئے
بس ایک بار میرا کہا مان لیجئے

دل کی دنیا پرانی دِلّی ہے
جو بھی گزرا اسی نے لوٹا ہے

دل دے کے میں نے ان کو جب ہاتھ اُن پر رکھا
بولے کہ وہ تو دل تھا، فرمایئے یہ کیا ہے؟

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اس طرح دل گیا کہ آج تلک
بیٹھے روتے ہیں، ہاتھ ملتے ہیں

زندگی:

غرض کہ کاٹ دیے زندگی کے دن اے دوست
وہ تری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

یہی آنا جانا تو ہے زندگی میں
کبھی آیئے گا کبھی جایئے گا

بڑا سخت ہے راستہ زندگی کا
ذرا آپ بھی دو قدم آیئے گا

یوں تو مرنے کے لیے زہر سبھی پیتے ہیں
زندگی ترے لیے زہر پیا ہے میں نے

زندگی مانندِ مرغِ خوش نوا
شاخ پہ بیٹھا کوئی دم چہچہایا اُڑ گیا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب ہے
موت کیا ہے، انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

اس دور میں زندگی بشر کی
بیمار کی رات ہوگئی ہے

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

مشہوراشعار: اُردو کے کچھ اشعار بہت زیادہ مشہور ومقبول ہیں ان شعروں سے بھی تدریسی فضا بنائی جاسکتی ہے۔ مثلاً

دنیا نے تری یاد سے بیگانہ کردیا
تجھ سے بھی دل فریب ہیں غم روزگار کے

کشتیاں ساری پہنچ جاتی ہیں کنارے تک
ناخدا جس کا نہیں اس کا خدا ہوتا ہے

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

نقشہ اٹھا کے کوئی نیا شہر ڈھونڈیے
اس شہر میں تو سب سے ملاقات ہوگئی

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لیے پھرتے ہیں

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہے تولا نہیں کرتے

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

چاروں طرف بریکیں لگیں ہارن بج اٹھے
رستوں کے بیچ و بیچ میں لڑکی ٹھہر گئی

رستے میں وہ ملا تو میں بچ کر نکل گیا
اس کی پھٹی قمیض میرے ساتھ ہوگئی

یہ زعفرانی پل اوور اسی کا حصّہ ہے
جو کوئی دوسرا پہنے تو دوسرا ہی لگے

کردار قتل کرنے لگے لوگ یوں کہ ہم
اپنے ہی گھر میں بیٹھ کے آوارہ ہوگئے

خدایا موت نہ آئے تباہ حالی میں
یہ نام ہوگا غمِ روز گار سہہ نہ سکا

نقشہ اٹھا کے کوئی نیا شہر ڈھونڈیے
اس شہر میں تو سب سے ملاقات ہوگئی

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں
ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

سدا عیش دوراں دکھلاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

ٹھہری ہے تو اک چہرے پہ ٹھہری رہی برسوں
ٹھبکی ہے تو پھر آنکھ ٹھبکتی ہی رہی ہے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کو خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

یہ مانا چار دن ہی زندگانی کے میسر میں
مگر یہ چار دن بھی زندگی کے کم نہیں ہوتے

بس اتنی بات تھی کہ عیادت کو آئے لوگ
دل کے ہر ایک زخم کا ٹانکا ادھڑ گیا

جی چاہتا تو بیٹھتے یادوں کی چھاؤں میں
ایسا گھنا درخت بھی جڑ سے اکھڑ گیا

گلاب ٹہنی سے ٹوٹا زمین پر نہ گرا
کرشمے تیز ہوا کے سمجھ سے باہر میں

حسین ابنِ علی کربلا کو جاتے ہیں
مگر یہ لوگ ابھی تک گھروں کے اندر ہیں

موت کا بھی علاج ہو شاید
زندگی کا کوئی علاج نہیں

ذرا ان کی شوخی تو دیکھیے لیے زلفِ خم شدہ ہاتھ میں
میرے پیچھے آئے دبے دبے مجھے سانپ کہہ کے ڈرا دیا

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

میں ابھی سے کس طرح ان کو بے وفا کہوں
منزلوں کی بات ہے راستے میں کیا کہوں

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

شہر میں کس کس سے لیتے انتقام
گھر میں آکے سب سے پہلے سو گئے

جیتنے نکلے تھے ساری کائنات
دوستوں سے لڑ کے گھر جانے لگے

کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

جان کر من جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

دل ابھی تک جوان ہے پیارے
کس مصیبت میں جان ہے پیارے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

آتی اسی موج سے دریا میں روانی
جس موج کی تقدیر میں ساحل نہیں ہوتا

مجھے اے ناخدا روکے گا کیا تو غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہے ڈوب جاتے ہیں سفینے میں

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اک زمانہ تھا کہ سب ایک جگہ رہتے تھے
اور اب کوئی کہیں کوئی کہیں رہتا ہے

میں پیاس کا صحرا ہوں تڑپنے کے لیے ہوں
تو کالی گھٹا ہے تو برس کیوں نہیں جاتی

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

سینے میں جلن آنکھوں میں طوفان سا کیوں ہے
اس شہر میں ہر شخص پریشان سا کیوں ہے

آکے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے
جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پسِ دیوار گرے

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

میں بکھر جاؤں گا زنجیر کی کڑیوں کی طرح
اور اس دشت میں رہ جائے گی جھنکار مری

اب کے اس بزم میں کچھ اپنا پتا بھی دینا
پاؤں پر پاؤں جو رکھنا تو دبا بھی دینا

پیا لیا کرتے ہیں جینے کی تمنا میں کبھی
دگمگانا بھی ضروری ہے سنبھلنے کے لیے

روز پیتا نہیں پی لیتا ہوں گاہے گاہے
وہ بھی تھوڑی سی مزا، منہہ کا بدلنے کے لیے

اے دوست ہم نے ترک تعلق کے باوجود
محسوس کی ہے تری ضرورت کبھی کبھی

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سا لاکھ سہی تو مگر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو دعا میں اثر کہاں

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالیؔ
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

کہتے ہیں جس کو اُردو ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بد نام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اگر درد محبت سے نہ انساں آشنا ہوتا
نہ مرنے کا الم ہوتا نہ جینے کا مزا ہوتا

وفا دیکھیے رنگ لاتی ہے کیا کیا
محبت ابھی گل کھلاتی ہے کیا کیا

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

بگڑنا اس کا غصے میں بھی شوخی سے نہیں خالی
مزے کی بات کہہ جاتا ہے ظالم بے مزا ہوکر

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلا گیا ہوں

اچھی پی لی خراب پی لی
جیسی پائی شراب پی لی

کوئی منہہ چوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یوں ہی جبیں پر

کم بخت نے شراب کا ذکر اس قدر کیا
واعظ کے منہہ سے آنے لگی بو شراب کی

پاؤں تو ان حسینوں کے منہہ چوم لوں ریاض
آج ان کی گالیوں نے بہت ہی مزا دیا

دلوں کو فکرِ دوعالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ہم نے انسانوں کے دکھ درد کا حل ڈھونڈ لیا
کیا برا ہے جو یہ افواہ اُڑادی جائے

ہمارے شہر میں بے چہرہ لوگ رہتے ہیں
کبھی کبھی کوئی چہرہ دکھائی دیتا ہے

میں سو بھی جاؤں تو کیا مری بند پلکوں میں
تمام رات کوئی جھانکتا لگے ہے مجھے

میں جب بھی اس کے خیالوں میں کھو سا جاتا ہوں
وہ خود بھی بات کرے تو برا لگے ہے مجھے

اسی سبب سے ہیں شاید عذاب جتنے ہیں
جھٹک کے پھیک دو پلکوں پہ خواب جتنے ہیں

تدریسی فضا میں خوش آہنگ اور غنائی اشعار بھی مدد کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ خوش آہنگی دلوں کو بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔

خوش آہنگ اشعار:

پتّا پتّا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم بادو باراں ہے

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اپنی عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

جھل مِل کرتے تاروں نے بھی پائل کی جھنکار سنی تھی
چلی گئی کل چھم چھم کرتی پیا مِلن کی رات کہاں

پہلے جاں، پھر جانِ جاں، پھر جانِ جاناں ہو گئے
رفتہ رفتہ وہ مرے ہستی کے ساماں ہو گئے

دلچسپ اشعار: اُردو میں کچھ ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو نو جوانوں کی دلچسپی کا سامان بنتے ہیں۔ ان شعروں سے بھی تدریسی فضا ہموار کرنے میں مدد لی جا سکتی ہے۔ مثلاً

دلچسپ اشعار:

نگاہِ یار کا کیا ہے ہوئی ہوئی نہ ہوئی
یہ دل کا درد ہے پیارے گیا گیا نہ گیا

نہ ذریعہ، نہ زر ہے نظر ہی نذر ہے
نظر کے عوض میں نذر چاہتا ہوں

پہلے اس نے رس کہا، پھر گل کہا، پھر لے کہا
اس طرح ظالم نے رس گلّے کے ٹکڑے کر دیے

کیا کہا؟ کس نے کہا؟ کس سے کہا؟ کب؟ کس گھڑی؟
کس جگہ؟ کس وقت؟ کس دم آپ کا چرچا کیا

مرہم کے لیے مرہم بھی گئے مرہم کی قسم مرہم نہ ملا
ہم دم کے لئے ہمدم سے گئے، ہمدم کی قسم ہمدم نہ ملا

اے کِل کِل کل کل نہ کر کل کل میں تو کیا پائے گا
آ کل پکڑ، بے کل نہ ہو کل کل میں تو مر جائے گا

سمجھ سمجھ کے جو نہ سمجھے
میری سمجھ میں وہ نا سمجھ ہے

کل کا وعدہ نہ کرو اور مجھے بے کل نہ کرو
کل تم آنے کے نہیں، چپ رہو، کل کل نہ کرو

بذریعۂ واقعات واقوال: ان واقعات واقوال سے بھی تدریسی فضا تیار کی جاسکتی ہے جو شاعری کی اہمیت افادیت اور شعری کارناموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاعری کی افادیت براہِ راست بیان کرنے سے اتنا اثر نہیں ہوسکتا جتنا کہ ان واقعات کو سنانے سے ہوسکتا ہے کہ کس طرح کسی شعری تخلیق نے جنگ کے نقشے کو بدل دیا شکست کو فتح میں تبدیل کردیا۔کس طرح کسی قصیدے نے کسی سنگ دل بادشاہ کو موم کردیا کس طرح کسی نظم نے کسی غریب کی معمولی شکل صورت کی لڑکیوں کے لیے امیر زادوں تک سے پیغامات بھیجوادیے۔اگراس طرح کے واقعات طلبہ کو سنائے جائیں تو شاعری کی اہمیت نہ صرف یہ کہ ان کی سمجھ میں آجائے گی بلکہ اس کی قدرومنزلت بھی ان کے نزدیک بڑھ جائے گی،اوروہ شعر میں دلچسپی لیناشروع کردیں گے۔

تدریسی فضابنانے والے کچھ واقعات بطورِنمونہ یہاں درج کیے جارہے ہیں،اساتذہ اس طرح کے اور واقعات تلاش کرکے ان سے تدریسی فضابنانے کا کام لے سکتے ہیں:۔

تدریسی فضاتیار کرنے والے واقعات:

پہلا واقعہ: ایک جزیرے کے لیے ایتھنز اورمگاراوالوں کے درمیان ایک مدت تک جنگ جاری رہی اور ایتھنز والوں کی برابر شکست ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ ہمّت ہار کر بیٹھ گئے۔ ایسے میں ایتھنز کا مشہور شاعر جان بوجھ کر دیوانہ بن گیا اور حالتِ دیوانگی میں ایک بلند مقام پر کھڑا ہوکر اشعار پڑھنے شروع کیے جن کا مضمون یہ تھا:

"کاش میں ایتھنز میں پیدانہ ہوتا بلکہ عجم یا کسی اور ملک میں پیدا ہوتا جہاں کے باشندے میرے ہم وطنوں سے زیادہ جفاکش سنگ دل اور یونان کے علم وحکمت سے بے خبر ہوتے۔ وہ حالت میرے لیے اس سے بہتر تھی کہ لوگ مجھے دیکھ کر ایک دوسرے

سے کہیں کہ یہ شخص ایتھنز کا رہنے والا ہے جو سیلمس کی لڑائی سے
بھاگ گئے۔ اے عزیزو! جلد دشمنوں سے انتقام لو۔ اور یہ ننگ و عار
ہم سے دور کرو۔ اور چین سے نہ بیٹھو۔ جب تک کہ اپنا چھینا ہو املک
ظالم دشمنوں کے پنجے سے نہ چھڑا لو"

ان غیرت انگیز اشعار سے ایتھنز والوں کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اس وقت سب نے ہتھیار سنبھال کر سولن کو فوج کا سردار اور حاکم مقرر کیا اور سب کے سب ماہی گیروں کی کشتیوں میں سوار ہو کر سیلمس پر چڑھ گئے اور آخر کار جزیرہ سیلمس پر قابض ہو گئے۔

دوسرا واقعہ: ایک بار ایک عورت عرب کے ایک مشہور نابینا شاعر میمون بن قیس (اعشیٰ) کے پاس پہنچی اور کہا کہ میری لڑکیاں بہت ہیں اور کہیں ان کو بَر (دولہا) نہیں ملتا۔ اگر تو چاہے تو لوگوں کو شعر کے ذریعے ہمارے خاندان کی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔ یہ سن کر اعشیٰ نے اس عورت کی لڑکیوں کے حسن و جمال اور ان کے عادات و اطوار کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔ جس کی بدولت ان لڑکیوں کی صورت اور سیرت کا چرچا تمام ملک میں پھیل گیا اور چاروں طرف سے ان کے لیے پیغام آنے لگے۔ یہاں تک کہ عرب کے امیروں نے بھاری بھاری مہر مقرر کر کے ان سے شادیاں کر لیں۔

تیسرا واقعہ: علمی دنیا میں ڈارون کا نام کون نہیں جانتا۔ ابتدائے عمر میں اسے سخن سے بہت دل چسپی تھی مگر بعد کو مسئلہ ارتقا کی تحقیق نے اسے ایسا محو کیا کہ کسی اور چیز کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ دیا۔ آخرِ عمر میں جب اسے اس تحقیق سے فرصت ہوئی تو اُس نے اپنی سوانح عمری خود لکھی۔ اس میں اس نے اپنے جذبات کے مردہ ہو جانے پر افسوس کیا ہے اور لکھا ہے:۔

تیس برس کی عمر تک، بلکہ اس کے بعد تک، شاعری کی اکثر صنفوں میں مجھے بہت لذّت ملتی تھی۔ جب میں مدرسے میں پڑھتا تھا اس وقت بھی شیکسپیر کے کلام میں، خاص کر اس کے تاریخی ڈراموں میں، بہت ہی لطف آتا تھا۔ میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ پہلے مجھے تصویروں سے کچھ اور موسیقی سے بہت دلچسپی تھی۔ لیکن اب کئی سال سے ایک

مصرع پڑھنا بھی میری قوتِ برداشت سے باہر ہے۔ ابھی حال ہی میں میں نے شیکسپیر کا کلام پڑھنے کی کوشش کی مگر وہ مجھے ایسا روکھا پھیکا اور اتنا بدمزہ معلوم ہوا کہ میرا جی متلا نے لگا۔ تصویروں اور موسیقی کا شوق بھی گویا بالکل باقی نہیں رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا دماغ ایک مشین ہو کر رہ گیا ہے جس کا کام یہ ہے کہ حادثات اور واقعات کو جمع کر کے ان سے عام اصول اخذ کیا کرے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے دماغ کا صرف وہی حصہ کیوں بے کار ہو گیا ہے جس پر لطیف احساسات کا دارومدار ہوتا ہے...... اگر مجھے اپنی زندگی پھر سے مل جاتی تو کم سے کم ہفتے میں ایک دفعہ کچھ شعر پڑھ لینا اور کچھ موسیقی سن لینا اپنا معمول کر لیتا اس تدبیر سے شاید میرے دماغ کے وہ حصّے جواب بے کار ہو گئے ہیں استعمال میں رہنے کی وجہ سے مردہ نہ ہونے پاتے۔ ان دلچسپیوں کا مٹ جانا مسّرت کا معدوم ہو جانا ہے اور چوں کہ اس سے ہمارے نفس کا وہ حصّہ کم زور ہو جاتا ہے جس کا تعلق جذبات سے ہے۔ لہذا یہ شاید ہمارے ذہن کے لیے اور غالباً ہمارے اخلاق کے لیے مضر ہے۔"

امریکہ کا مشہور ماہرِ نفسیات پروفیسر جیمس لکھتا ہے:

"ڈارون کے اِس بیان سے لوگوں کو سبق لینا چاہیے اور ہر شخص کو کم سے کم دس منٹ روز شعروشاعری کے لیے وقف کر دینا چاہیے تا کہ جذبات مردہ نہ ہونے پائیں۔"

مذکورہ بالا سبھی واقعات شاعری کی قوت اس کی اہمیت اور افادیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ شاعری کی اسی طاقت کو درج ذیل دانشوروں نے محسوس کیا اور اسے اپنے طور پر پیش کیا۔

یورپ کا ایک محقق لکھتا ہے:

"مشاغلِ دُنیوی میں انہماک کے سبب سے جو قوتیں سو جاتی ہیں شعر اُن کو جگاتا ہے اور ہمارے بچپن کے اُن خالص اور پاک جذبات کو جو غرض کے داغ سے منزّہ اور مبرّا تھے پھر تروتازہ

کرتا ہے۔ دنیوی کاموں کی مشق و مزاولت سے بے شک ذہن میں تیزی آجاتی ہے، مگر دل بالکل مرجاتا ہے۔

جب کہ افلاس میں قوتِ لایموت کے لیے یا تونگری میں جاہ و منصب کے لیے کوشش کی جاتی ہے اور دُنیا میں چاروں طرف خودغرضی دکھائی دیتی ہے اُس وقت انسان کو سخت مشکلیں پیش آتیں، اگر اُس کے پاس کوئی ایسا علاج نہ ہوتا جو دل کو بہلانے اور تر و تازہ کرنے میں چپکے ہی چپکے مگر نہایت قوت کے ساتھ افلاس کی صورت میں مرہم اور تونگری کی صورت میں تریاق کا کام دے سکے۔ یہ خاصیت خدا نے شعر میں ودیعت کی ہے۔ وہ ہم کو محسوسات کے دائرے سے نکال کر گزشتہ اور آئندہ حالتوں کو ہماری موجودہ حالت پر غالب کر دیتا ہے۔ شعر کا اثر محض عقل کے ذریعے سے نہیں بلکہ زیادہ تر ذہن اور ادراک کے ذریعے سے اخلاق پر ہوتا ہے۔ پس ہر قوم اپنے ذہن کی جودت اور ادراک کی بلندی کے موافق شعر سے اخلاقِ فاضلہ اکتساب کرسکتی ہے۔ قومی افتخار، قومی عزّت، عہد و پیمان کی پابندی، بے دھڑک اپنے عزم پورے کرنا، استقلال کے ساتھ سختیوں کو برداشت کرنا، اور ایسے فائدوں پر نگاہ نہ کرنا جو پاک ذریعوں سے حاصل نہ ہوسکیں اور اسی قسم کی وہ تمام خصلتیں جن کے ہونے سے ساری قوم تمام عالم کی نگاہ میں چمک اٹھتی ہے اور جن کے نہ ہونے سے بڑی سے بڑی قومی سلطنت دُنیا کی نظروں میں ذلیل رہتی ہے، اگر کسی قوم میں بالکل شعر ہی کی بدولت پیدا نہیں ہوجاتیں، تو بلاشبہ اُن کی بنیاد تو اس میں شعر ہی کی بدولت پڑتی ہے۔ اگر افلاطون اپنے خیالی کانسٹی ٹیوشن سے شاعروں کو جلاوطن کردینے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ ہرگز اخلاق پر احسان نہ کرتا، بلکہ اس کا نتیجہ

یہ ہوتا کہ ایک سرد مہر، خود غرض، اور مروّت سے دور ایسی سوسائٹی قائم ہو جاتی جس کا کوئی کام اور کوئی کوشش بدون موقع مصلحت کے محض دل کے ولولے اور جوش سے نہ ہوتی۔ یہی سبب ہے کہ تمام دنیا شعرا کا ادب اور تعظیم کرتی ہے جنھوں نے اس خاتمِ سلیمانی کی بدولت جو قوتِ متخیلہ نے اُن کے قبضے میں دی ہے، انسان میں ایسی تحریک اور برانگیختگی پیدا کی ہے جو کہ خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف لے جانے والی ہے[1]"

عرب میں نمیر ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کو اپنے حسب ونصب کا اس قدر غرور تھا کہ جب اس قبیلے کے کسی آدمی سے کوئی شخص پوچھتا تھا کہ تم کس قبیلے سے ہو تو غرور کے لہجے میں بھاری آواز سے نمیر کا نام لیتا تھا، جریر جو مشہور شاعر تھا، اس کو اس قبیلے کے ایک آدمی سے رنج پہنچا، جریر گھر میں آیا بیٹے سے کہا آج چراغ میں تیل زیادہ ڈالنا، قبیلہ مذکور کی ہجو میں اشعار لکھنے شروع کیے اور جب اشعار مکمل ہو گئے تو ایک شعر پر اچھل پڑا اور کہا خدا کی قسم میں نے اس کو ابد تک کے لیے رسوا کر دیا۔ تمام عرب میں یہ شعر مشہور ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ اس قبیلے کے کسی آدمی سے لوگ قبیلے کا نام پوچھتے تھے تو نمیر کا نام چھوڑ کر اوپر کی پشتوں کا نام بتاتا تھا۔ یہاں تک کہ سرے سے قبیلہ کا نام ہی مٹ گیا۔

سلطان محمود کی عظمت وشان اور جبرؤت واقتدار محتاجِ بیان نہیں، لیکن فردوسی نے ہجو کے جو شعر کہہ دیے، محمود کسی طرح ان کو نہ مٹا سکا۔ تمام ملک میں منادی تھی کہ جس کے پاس یہ ہجو نکلے گی گرفتار ہوگا، فردوسی خود شہر بہ شہر روپوش بھاگا پھرتا تھا، لیکن اشعار بچے بچے کی زبان پر تھے، اور آج شاہنامہ کے جس قدر نسخے دنیا میں موجود ہیں، کوئی اس ہجو سے خالی نہیں۔

ہندی کے مشہور شاعر ہری ونش رائے وچّن جی سے ایک انٹرویو میں پوچھا گیا کہ آپ کی رائے میں ہندوستان کے مسائل کا کیا حل ہے تو جواب میں وچّن جی نے فرمایا

---

[1] (شبلی نعمانی شعرالعجم ص 88)

کہ ہر ہندوستانی کو تھوڑا سا وقت نکال کر کویتا پاٹھ کرنا چاہیے۔اس جواب کے پیچھے ان کا مقصد یہ تھا کہ کویتا یعنی شاعری انسان کے محسوسات کو تیز کرتی ہے۔دکھ درد کا احساس کراتی ہے۔سینے میں محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے،اس طرح شاعری لوگوں کو مسائل پر ٹھنڈے دماغ اور ہمدردی کے ساتھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔اور جب لوگ اس طرح سوچتے ہیں تو بہت سے مسائل اپنے آپ حل ہو جاتے ہیں 2003 میں منعقدہ بین الاقوامی کتابی میلے کی افتتاحی تقریب نامور اطالوی ادیب اری ڈی لکا (ERRI DE LUCCA) نے فرمایا

> ''بے شک نسلِ انسانی دکھ درد سہنے پر مجبور ہے لیکن یہ ادب اور صرف ادب ہے جو اِس انسانی کرب کی باز آفرینی پر قدرت رکھتا ہے۔اس لیے (بہ حیثیت ادیب) یہ ہماری ذمّے داری ہے کہ ہم انسانی دکھ درد کی گاتھا بیان کر کے اپنے قارئین کو اس میں حصہ دار بنائیں۔''

بذریعۂ لسانی کھیل:- تدریسی فضا قائم کرنے کا ایک نہایت ہی موثر طریقہ لسانی کھیل ہے۔لسانی کھیل سے مراد ہر وہ کھیل ہے جو زبان و بیان کی تخلیقی قوت اور اس کے جادوئی صفات و کمالات سے کھیلا جاتا ہے۔اُردو،ایک ایسی زبان ہے جس کے رسم خط سے لے کر شعروادب تک میں کھیل کے عناصر بھرے پڑے ہیں۔ہر سطح کے کچھ کھیلوں کو یکجا کر کے ان سے تدریسی فضا بنائی جا سکتی ہے اور اس طرح طلبہ کو شعروادب کی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے،یہاں کچھ ایسے کھیلوں کے نمونے دیے جا رہے ہیں جو تدریسی فضا کی تخلیق میں زیادہ معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔مثلاً

۱۔ بیت بازی (روایتی)

۲۔ موضوعاتی بیت بازی

۳۔ تخالفی بیت بازی

۴۔ شعری کوئز

۵۔ منظوم پہیلیاں

۶۔ دوسخنے

۷۔ کہہ مکرنیاں

۸۔ ادبی لطیفے

۹۔ پیروڈی

۱۰۔ تضمین

۱۱۔ حاضر جوابی

بیت بازی

یہ اُردو زبان کا ایک مشہور ومقبول کھیل ہے۔ بیت کے معنی شعر اور بازی کے معنی ہے کھیل یا تماشا۔ اس طرح بیت بازی کا مطلب ہے شعروں کا کھیل۔ اس کھیل میں شعروں سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔

یہ کھیل دو ٹیموں کے درمیان کھیلا جاتا ہے۔ ایک ٹیم پہلے کوئی شعر پڑھتی ہے۔ شعر جس حرف پر ختم ہوتا ہے دوسری ٹیم کو اس حرف سے شروع ہونے والا کوئی شعر پڑھنا پڑتا ہے۔ اگر جواب میں دوسری ٹیم شعر نہ پڑھ سکے اور پہلی ٹیم پڑھ دے تو اس کی جیت اور دوسری ٹیم کی ہار ہو جاتی ہے۔ مثلاً پہلی ٹیم یہ شعر پڑھتی ہے ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

یہ شعر ''ن'' پر ختم ہوا ہے۔ دوسری ٹیم کو ''ن'' سے کوئی شعر پڑھنا پڑے گا۔ جیسے وہ یہ شعر پڑھ سکتی ہے۔ ؎

ناز کی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

یہ شعر ''ے'' پر ختم ہوا ہے۔ اب ''ے'' سے آپ کوئی شعر پڑھیے۔ کچھ اور شعر دیے جا رہے ہیں۔ آپ آخری حرف سے شروع ہونے والے اشعار لکھیے۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کے وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

(۱)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

(۲)

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار۔ کھوتی ہے

(۳)

جگنوں کو دن کے وقت پرکھنے کی ضد کریں
بچے ہمارے عہد کے چالاک ہوگئے

(۴)

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

(۵)

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں

(۶)

یہ ایک ابر کا ٹکڑا کہاں کہاں برسے
تمام دشت ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے

(۷)

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

(۸)

دھمک کہیں ہو لرزتی ہیں کھڑکیاں مری
گھٹا کہیں ہو ٹپکتا ہے سائبان مرا

(۹)

جستجو جس کی تھی اس کو تو نہ پایا ہم نے
اس بہانے سے مگر دیکھ لی دنیا ہم نے

بیت باز میں زیادہ تر اشعار ''ا'' ''ی'' ''ے'' اور ''ن'' پر ختم ہوتے ہیں، اس لیے اِن حروف سے شروع ہونے والے کچھ اشعار درج کیے جا رہے ہیں ۔

(الف)

(۱)

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

(۲)

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جیسے کچھ سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

(۳)

اک زمانہ تھا کہ سب ایک جگہ رہتے تھے
اور اب کوئی کہیں، کوئی کہیں رہتا ہے

(۴)

اے دوست ہم نے ترکِ تعلق کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

(۵)

ایسے چپ ہیں کہ یہ منزل بھی کڑی ہو جیسے
تیرا ملنا بھی جدائی کی گھڑی ہو جیسے

(۶)

آتی ہے اسی موج سے دریا میں روانی
جس موج کی تقدیر میں ساحل نہیں ہوتا

(۷)

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے اُٹھے

(۸)

اب یادِ رفتگاں کی بھی فرصت نہیں رہی
یاروں نے اتنی دور بسائی ہیں بستیاں

(۹)

اے موجِ بلا ان کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

(۱۰)

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حُسن
بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

(۱۱)

انگڑائی بھی نہ لینے وہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

(۱۲)

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے
ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے

(۱۳)

آغازِ محبت سے انجامِ محبت تک
گزرا ہے جو کچھ ہم پر تم نے بھی سنا ہوگا

(۱۴)

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسن
آیا مرا خیال تو شرما کے رہ گئے

(۱۵)

اک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

(۱۶)

اللہ رے جسم یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

(۱۷)

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

(۱۸)

آنکھ جس جانب تمہاری اٹھ گئی
رہ گئے لاکھوں کلیجہ تھام کے

(۱۹)

انداز اپنے دیکھتے ہیں آئینے میں وہ
اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

(۲۰)

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

(ی / ے)

(۱)

یاد کرنا ہر گھڑی تجھ یار کا
ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا

(۲)

یاروں نے دشمنی کی ہم نے خلوص برتا
کچھ دور ہوگئے وہ کچھ دور ہوگئے ہم

(۳)

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبلِ بے تاب گفتگو کرتے

(۴)

یوں تو مرنے کے لیے زہر سبھی پیتے ہیں
زندگی تیرے لیے زہر پیا ہے میں نے

(۵)

یوں بھی سنتا ہوں ترانے غم کے بزمِ اشک میں
جیسے کوئی بات ہی غم کے ترانوں میں نہیں

(۶)

یہ تمنا نہیں کہ مر جائیں
زندہ رہنے مگر کدھر جائیں

(۷)

یہ نرم نرم ہوا جھلملا رہے ہیں چراغ
ترے خیال کی خوشبو، سے بس رہے ہیں دماغ

(۸)

یہ سمجھ کے سچ جانا ہم نے تیری باتوں کو
اتنے خوبصورت لب جھوٹ کیسے بولیں گے

(۹)

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

(۱۰)

یہ شان یہ غرور لڑکپن میں کچھ نہ تھا
کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے

(۱۱)

یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

(۱۲)

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

(۱۳)

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

(۱۴)

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا ہی سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

(۱۵)

یہی زندگی مصیبت یہی زندگی مسرت
یہی زندگی حقیقت یہی زندگی فسانہ

(۱۶)

یہ آرزو ہے کوئی اہلِ دل نہیں ملتا
خدا ملے تو ملے آدمی نہیں ملتا

(۱۷)

یوں بھی سنا ہے موت کو کرتے ہیں زندگی
جینے کا نام ہے لیکن جیے چلے چلو

(۱۸)

یا عشق نہیں کرتے یا لوگ ہیں بے پروا
کیوں عشق میں اب کوئی بدنام نہیں ہوتا

(۱۹)

یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ کر کیجئے
اس بھلائی کا ہے انجام برا یاد رہے

(۲۰)

یہ کیا ہے محبت میں تو ایسا نہیں ہوتا
میں تجھ سے جدا ہو کے بھی تنہا نہیں ہوتا

(ن)

(۱)

ناؤ کاغذ کی بنانے میں ہیں بچّے منہمک
پانیوں سے یہ ڈھکی سڑکیں کہاں تک جائیں گی

(۲)

نشاں یوں تو تھے رہ گزر میں بہت
مگر موڑ تھے اس سفر میں بہت

(۳)

نہ اتنی تیز چلے سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتّہ دکھائی دیتا ہے

(۴)

نیند کی اوس سے پلکوں کو بھگوئے کیسے
جاگنا جس کا مقدر ہو وہ سوئے کیسے

(۵)

نیند کی کون سی منزل سے گزرتے ہوں گے
خواب کے پاؤں زمینوں پہ اترتے ہوں گے

(۶)

نقشہ اٹھا کے کوئی نیا شہر ڈھونڈیے
اس شہر میں تو سب سے ملاقات ہوگئی

(۷)

نئے خیال اب آتے ہیں ڈھل کے آہن میں
ہمارے دل میں کبھی کھیت لہلہاتے تھے

(۸)

نشۂ مے سے کہیں پیاس بجھی ہے دل کی
تشنگی اور بڑھا لائے خرابات سے ہم
آج تو مل کے بھی جیسے نہ ملے ہوں تجھ سے
چونک اٹھتے ہیں کبھی تری ملاقات سے ہم

(۹)

نگاہِ یار کا کیا ہے ہوئی، ہوئی نہ ہوئی
یہ دل کا درد ہے پیارے گیا گیا نہ گیا

(۱۰)

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے

(۱۱)

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

(۱۲)

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

(۱۳)

نظر ملا کے کہا مجھ سے مرے ساقی نے
حرام کہتے ہیں جس کو یہ وہ شراب نہیں

(۱۴)

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

(۱۵)

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

(۱۶)

نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

(۱۷)

نہ سوچا، نہ سمجھا، نہ دیکھا نہ بھالا
جیو تم کہ چاہا جسے مار ڈالا

(۱۸)

نیند اس کی ہے، راتیں اس کی ہیں، دماغ اس کا ہے
تیری زلفیں جس کے شانوں پر پریشاں ہوگئیں

(۱۹)

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

(۲۰)

نیند کیا ہے ذرا سی دیر کی موت
موت کیا ہے تمام عمر کی نیند

بیت بازی کا یہ کھیل کچھ اور طریقوں سے بھی کھیلا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ٹیم جس لفظ سے شروع ہونے والا شعر پڑھے دوسری ٹیم بھی اسی لفظ سے شروع ہونے والا شعر پڑھے۔ جو ٹیم اس لفظ سے شعر نہ پڑھ سکے اور دوسری ٹیم پڑھ دے تو دوسری کی جیت اور پہلی کی ہار مانی جائے گی۔ نمونے کے طور پر لفظ ''زندگی'' سے شروع ہونے والے اشعار کے درمیان یہ کھیل، کھیل کر دکھایا جا رہا ہے۔

پہلی ٹیم

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

دوسری ٹیم

زندگی زندہ دلی کا نام ہے مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

پہلی ٹیم

زندگی کیا ہے آج اے دوست سوچ لیں اور اداس ہو جائیں

دوسری ٹیم

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پہلی ٹیم

زندگی اب زندگی کی داستانوں میں نہیں بجلیوں کا سوز شاید آشیانوں میں نہیں

دوسری ٹیم

زندگی گو لاکھ بن جائے تبسّم آفریں زندگی لیکن تبسم کے فسانوں میں نہیں

پہلی ٹیم

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی کیوں ترا راہ گزر یاد آیا

دوسری ٹیم

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے مہربانی آپ کی نا مہربانی آپ کی

پہلی ٹیم

زندگی ہر شئے میں ترے ناز اٹھائے نہ گئے سانس لینے کی فقط رسم ادا کرتے ہیں

دوسری ٹیم

زندگی ریشم و کم خواب نہیں ہے اے دوست تجھ کو جینا ہے تو پتھر کا جگر پیدا کر

پہلی ٹیم

زندگی میں دو ہی گھڑیاں گزری ہیں مجھ پر کٹھن اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

دوسری ٹیم

زندگی کیا ہے گناہِ آدم زندگی ہے تو گنہ گار ہوں میں

پہلی ٹیم

زندگی نے غمِ دوراں کا سہارا لے کر دلِ ناشاد کو کچھ اور بھی ناشاد کیا

دوسری ٹیم

زندگی کرنے کے آداب سمجھ جاؤ گے اک ذرا ذات کے بھی خول سے باہر نکلو

پہلی ٹیم

زندگی راز ہو تو چپ بھی رہیں جب بھرم کھل چکا تو بولیں گے

دوسری ٹیم

زندگی دشتِ حوادث میں رہی گرمِ سفر ہم سجاتے ہی رہے انجمنِ خواب وخیال

پہلی ٹیم

زندگی مانندِ مرغِ خوش نوا شاخ پہ بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا

دوسری ٹیم

زندگی اک جہادِ پیہم ہے یہ نفس دو نفس کی بات نہیں

پہلی ٹیم

زندگی کے ساتھ تو ہوں گو ایک مدّت سے مگر زندگی کو آج تک نزدیک سے دیکھا نہیں

دوسری ٹیم

زندگی کے آئینے کو توڑ دو اس میں اب کچھ بھی نظر آتا نہیں

پہلی ٹیم

زندگی ایک امانت ہے سرِ راہِ نشاط اپنے خوابوں کو حوادث سے بچائے رکھیے

دوسری ٹیم

زندگی بے در و دیوارِ مکاں ہے کوئی کب سے اک حسرتِ تعمیر لیے بیٹھے ہیں

پہلی ٹیم

زندگی چھوڑنے آئی مجھے دروازے تک رات کے پچھلے پہر میں جو کبھی گھر آیا

دوسری ٹیم

زندگی درد ہے اس درد کا درماں کیا ہے مجھ کو فرصت ہی کہاں ہے کہ یہ سب کچھ سوچوں

پہلی ٹیم

زندگی جرم اگر ہے تو سزا دو مجھ کو آپ کے عہد میں جینے کا خطاوار ہوں میں

دوسری ٹیم

پہلی ٹیم

زندگی جیسی توقع تھی نہیں کچھ کم ہے ہر گھڑی ہوتا ہے احساس کہیں کچھ کم ہے

اس مقابلے میں دوسری ٹیم ''زندگی'' سے شروع ہونے والا شعر نہ پڑھ سکی اس لیے وہ ہار گئی۔ اور پہلی ٹیم نے زندگی سے شعر پڑھ دیا اس لیے وہ جیت گئی۔

اس طریقے کو اس طرح سے بھی اپنایا جاسکتا ہے کہ زندگی کا لفظ چاہے شروع میں نہ آئے مگر شعر میں کہیں نہ کہیں موجود رہے۔ یعنی زندگی سے متعلق تجربات پر کہے گئے شعروں سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ کھیل مختلف لفظوں سے شروع ہونے والے اشعار ان پر کہے گئے شعروں کے ذریعہ یہ کھیل کھیلا جاسکتا ہے۔ مثلاً آرزو، انتظار، یاد، رخسار، دل، آنکھ، نگاہ، لب، زمانہ، دنیا، ناخدا، نظر، زلف، گیسو، شراب، جام، پیمانہ، ناخدا وغیرہ

دوسرا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ٹیم اگر حسن سے متعلق شعر پڑھے تو دوسری ٹیم عشق سے۔ یعنی اس کھیل کے لیے ایسے لفظوں کو منتخب کیا جاسکتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مثلاً جفا، وفا، خزاں، بہار، زندگی، موت، شمع، پروانہ، ہجر وصال، آغاز، انجام، وغیرہ

اس طریقے کا بھی ایک نمونہ دیکھیے:

حسن اور عشق

پہلی ٹیم

اس کے بدن سے حسن ٹپکتا نہیں تو کیوں　　لبریز آب و رنگ ہے یہ پیرہن تمام

دوسری ٹیم

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا　　آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

پہلی ٹیم

دل عجب شہر تھا خیالوں کا　　لوٹا مارا ہے حسن والوں کا

دوسری ٹیم

عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے　　قیس کی آبرو کا پاس تھا

پہلی ٹیم

میں نے پوچھا کیا ہوا وہ آپ کا حسن وشباب　　ہنس کے بولا وہ صنم شانِ خدا تھی میں نہ تھا

دوسری ٹیم

عشق خاموش کے مزے ہیں جگر جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا

پہلی ٹیم

کبھی بن سنور کے جو آ گئے تو بہارِ حسن دکھا گئے مرے دل کو داغ لگا گئے، یہ نیا شگوفہ کھلا گئے

دوسری ٹیم

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ شاید خود بخود دل میں اک شخص سمایا جاتا

پہلی ٹیم

دریائے حسن اور بھی دو ہاتھ بڑھ گیا انگڑائی اس نے نشے میں لی جب اٹھا کے ہاتھ

دوسری ٹیم

یا عشق نہیں کرتے یا لوگ ہیں بے پروا کیوں عشق میں اب کوئی بدنام نہیں ہوتا

پہلی ٹیم

اتنا بھی نہ کر حسنِ جوانی پہ تکبر اے یار یہ جھونکا ہے نسیمِ سحری کا

دوسری ٹیم

رسوائی سے کیوں ڈرتے ہیں اس دور کے عاشق ہم بھی تو ترے عشق میں بدنام رہے ہیں

پہلی ٹیم

یہ حسنِ خود فروش عجب جنس ہے حسن وہ بک گئے جو اس کے خریدار ہو گئے

دوسری ٹیم

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

پہلی ٹیم

حسن ہے بے وفا بھی فانی بھی کاش سمجھے اسے جوانی بھی

دوسری ٹیم

گلزار ہے بہاریوں ہی حسنِ یار سے جیسے چمن بہار سے گلزار ہو گئے

پہلی ٹیم

یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں داغ چھالی کے عبث دھوتا ہے کیا

دوسری ٹیم

دیکھا جو حسنِ یار طبیعت مچل گئی آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی

پہلی ٹیم

عشق میں خواب کا خیال سے نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

دوسری ٹیم

پڑتی نہیں ہے دل پہ ترے حسن کی کرن کس سمت میرے چاندِ درخشاں ہے آج کل

پہلی ٹیم

الجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اس کے عشق میں دل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا

دوسری ٹیم

بلا سے کوئی ہاتھ ملتا رہے ترا حسن سانچے میں ڈھلتا رہے

پہلی ٹیم

حسن اک خوابِ ناز ہے جس کے چونک پڑنے کو عشق کہتے ہیں

دوسری ٹیم

گزرتی ہے جو دل پر حسن کے وہ عشق کیا جانے لبِ نازک کی ہر فریاد بے آواز ہوتی ہے

پہلی ٹیم

اچھا ہوا کہ عشق کی رسوائیاں ہوئیں کچھ ہم سے آشنا تو وہ نا آشنا ہوا

دوسری ٹیم

بے وجہ نہیں حسن کی تصویر میں تابش لو دیتے ہیں خاکسترِ الفت کے شرارے

پہلی ٹیم

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر مذہب عشق اختیار کیا

دوسری ٹیم

پہلی ٹیم

یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر نظر ملاتے ہیں اور مسکرائے جاتے ہیں

اس مقابلے میں دوسری ٹیم اپنی باری پر "حسن" سے شعر نہ پڑھ سکی اس لیے اسے مات کھانی پڑی اور پہلی ٹیم نے حسن سے شعر پڑھ دیا اس لیے وہ جیت سے ہم کنار ہوئی۔

یہ کھیل مشہور نظموں، مقبول و معروف شعروں، اہم اور ممتاز شاعروں اور ان کے شعری مجموعوں، کتابوں، اور شاعری کے مختلف زمانوں، اہم ادبی واقعوں، شعری چشمکوں، مناظروں وغیرہ کی مدد سے کھیلا جاسکتا ہے۔

منظوم پہیلیاں:

پہیلی یعنی بجھارت۔ کسی چیز کی کچھ خصوصیات بیان کر کے یا اس کا اتا پتا بتا کر مخاطب سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ چیز کیا ہے (اس چیز کا نام کیا ہے) جس کی اتنی ساری خصوصیات ہیں۔ اس کو پہیلی کہا جاتا ہے مثلاً

چڑھ چوکی پر بیٹھی رانی سر پر آگ بدن پر پانی
بار بار سر کاٹیں جاکا ہے کوئی پتا بتا دے واکا

ترور سے اک تریا اتری اس نے بہت رجھایا
باپ کا اس کے نام جو پوچھا، آدھا نام بتایا
آدھا نام پتا پر پیارے بوجھ پہیلی موری
امیر خسرو یوں کہیں، اپنا نام نبولی

حیواں ہے وہ نہ انساں جن ہے نہ وہ پری ہے سینے میں اس کے ہر دم اک آگ سی بھری ہے
کھا پی کے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے سر سے دھواں اڑا کر غصہ اتارتی ہے

ساون بھادوں خوب چلے جیٹھ اساڑھ میں تھوڑی
امیر خسرو یوں کہیں تو بوجھ پہیلی موری

دو سخنے: ایسے دو الگ الگ فِقرے جن کے معنی ایک ہوں۔ دو سخنے میں ایک سے زیادہ سوال کیے جاتے ہیں مگر سب کا جواب ایک ہی ہوتا ہے۔ مثلاً

سموسہ کیوں نہ کھایا، جوتا کیوں نہ پہنا — تلا نہ تھا
انار کھایا کیوں نہیں؟ وزیر رکھا کیوں نہیں — دانا نہ تھا
روٹی جلی کیوں؟ گھوڑا اڑا کیوں، پان سڑا کیوں؟ — تلا نہ تھا
کھیت نہ سینچا کیوں؟ چہرہ پھیکا کیوں، موتی بیکار کیوں؟ — آب نہ تھا

کہہ مکرنی:

عورتوں کی زبان سے ذو معنی بات یعنی ایسی بات جس کے دو معنی ہوں بیان کی جائے تو وہ کہہ مکرنی کہلائے گی مثلاً

سگری نین موہے سنگ جاگا — بھور بھئی سو بچھڑن لاگا
واکے بچھڑے پھاٹے ہیا — اے سکھی ساجن نا سکھی دیا

جب آوے تب جل بھر لاوے — تن من کی سب تپت بجھاوے
من کو بھاری تن کو چھوٹا — اے سکھی ساجن؟ نا سکھی لوٹا

ادبی لطیفہ:- ادبی لطائف سے بھی تدریسی فضا بنائی جا سکتی ہے، اس سے پہلے کہ لطیفے درج کیے جائیں لطیفہ کے معنی و مفہوم پر غور کر لینا ضروری معلوم ہوتا ہے زندگی کے کسی بھی واقعے کو اس انداز سے پیش کرنا کہ اسے سن کر بے اختیار ہنسی آجائے، لطیفہ ہے، یعنی معمولی سے معمولی واقعے میں مزاح کا رنگ بھر کر اس کو اختصار کے ساتھ اس انداز سے بیان کر دیا جائے کہ پڑھنے یا سننے والے کے جذبات پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جائے کہ وہ بے اختیار ہنس پڑے۔

نمونے:-

(۱) غالب کے ایک دوست تھے۔ ان کا نام حکیم رضی الدین خاں تھا، حکیم رضی

الدین خاں دلّی کے ایک مشہور حکیم تھے۔ لیکن انھیں آم پسند نہ تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حکیم صاحب مرزا غالب کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ آموں کا موسم تھا اور گلی میں آموں کے چھلکے پڑے ہوئے تھے۔ ایک گدھے والا اُدھر سے اپنے گدھے لیے گزر رہا تھا، گدھے نے رک کر آم کے چھلکے سونگھے اور آگے بڑھ گیا، یہ دیکھ کر حکیم صاحب نے مرزا غالب کو مخاطب کر کے مسکراتے ہوئے کہا:۔

دیکھو مرزا! تم آموں کی بڑی تعریف کرتے ہو مگر آم ایسی چیز ہے کہ اسے گدھے بھی نہیں کھاتے۔

مرزا غالب نے بھی نہایت سنجیدگی سے فرمایا:۔

''جی ہاں، بیشک گدھے آم نہیں کھاتے۔''

(۲) روزے سے متعلق غالب کا ایک لطیفہ یوں ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے، بہادر شاہ ظفر نے مرزا غالب سے پوچھا

''مرزا! تم روزہ کیوں نہیں رکھتے۔''

مرزا غالب نے جواب دیا

''پیرو مرشد، جب کھانے کو نہیں ملتا تو روزہ ہی کھالیتا ہوں''۔

(۳) ایک دن ملا نصیر الدین اپنے گدھے کو پیٹ رہے تھے کسی نے کہا، ''اس بے چارے کو کیوں اتنی بے رحمی سے مار رہے ہو؟''

اس پر ملاّ نے کہا

''معاف کیجیے گا، میں نہیں جانتا تھا کہ اِس سے آپ کی رشتہ داری ہے''

(۴) ایک بار ملاّ نے اپنے کسی بیمار دوست کی طبیعت پوچھی۔ دوست نے کہا، ''بخار تو ٹوٹ گیا ہے مگر گردن میں سخت درد ہے۔ ملاّ نے ہمدردی کرتے ہوئے کہا

''گھبراؤ نہیں، اللہ نے چاہا تو جیسے بخار ٹوٹا ہے، ویسے ہی گردن بھی ٹوٹ جائے گی۔''

(۵) ایک دن ملاّ نے اپنی تقریر کے دوران کہا:۔

''جس شخص کی ایک بیٹی ہو اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھل جائے گا۔ اگر

دو ہوں گی تو دو۔

ایک آدمی نے پوچھا:۔

''جنت میں کتنے دروازے ہیں؟''

'آٹھ'ملّا نے جواب دیا۔

''مگر میرے تو بارہ لڑکیاں ہے، اس نے کہا

اس پر ملاّ نے جواب دیا

''پھر چار کو جہنم میں جانا پڑے گا۔''

پیروڈی:۔ تدریسی فضا بنانے میں پیروڈی سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ اردو میں بے شمار شعروں اور نظموں کی پیروڈی کی گئی ہے۔ پیروڈی بھی ایک فن ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی مشہور شعر کے کچھ الفاظ بدل دیتے ہیں یا انھیں آگے پیچھے کر دیتے ہیں، اس ڈھنگ سے کہ اس شعر کا مفہوم بدل جاتا ہے اور مزاح کا پہلو نکل آتا ہے

مثلاً عبدالحمید عدم کا ایک شعر ہے

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہیں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں

اب اس شعر کا پیروڈی دیکھیے

شاید مجھے نکال کے کچھ کھا رہے ہیں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں

غالب کا شعر ہے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اس کی پیروڈی یوں ہے

کام نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے عشق کے

اس شعر کی ایک اور پیروڈی بھی کی گئی ہے۔

عشق نے غالب تکونا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی چوکور تھے



ادبی کوئز

ادبی کوئز کے ذریعے بھی تدریسی فضا تیار کی جاسکتی ہے۔لطف اندوزی کا یہ ایک بہت ہی دلچسپ وسیلہ ہے۔اس سے دلچسپی کے ساتھ کی قوت متخیلہ کی آبیاری بھی ہوتی ہے نیز طلبہ کے اندر حاضر جوابی کی استعداد بھی بڑھتی ہے۔

یہ کھیل دو یا دو سے زیادہ ٹیموں کے درمیان کھیلا جاتا ہے۔ادبی کوئز میں ادب سے متعلق سوالات کیے جاتے ہیں اور سب سے زیادہ نمبر پانے والی ٹیم فتح یاب ہوتی ہے۔
یہاں اس ادبی کوئز کا ایک نمونہ پیش کیا جارہا ہے۔

ناظم :- آج کا کوئز شعروادب سے متعلق ہے۔اس کوئز میں شعروادب، ادبی نفسیات اور ادیب وشاعر کے بارے میں سوالات کیے جائیں گے۔ہر سوال کے پانچ نمبر مخصوص ہیں۔کوئز کے تین دور (Round) ہوں گے، ہر دور کے بعد اسکور کا اعلان کیا جائے گا۔ہر دور میں ہر ٹیم سے پانچ پانچ سوال پوچھے جائیں گے جن کے مجموعی نمبر پچاس ہوں گے۔لیجیے، اب اس ادبی کوئز کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔اس دور کا نام ہے ''شعر''
پہلا سوال ٹیم اے سے۔سوال ہے

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اس شعر کا شاعر کون ہے؟

ٹیم اے— سر محمد اقبال

ناظم:- شاباش! جواب بالکل درست۔ ٹیم اے نے شروعات اچھی کی ہے۔

اور اب باری ہے ٹیم بی کی۔ سوال ہے

دل چیز کیا ہے آپ میری جان لیجئے
بس ایک بار میرا کہا مان لیجئے

یہ شعر کس نے لکھا ہے؟

ٹیم بی: یہ شعر شہریار نے لکھا ہے۔

ناظم:- جواب بالکل صحیح۔ ٹیم بی کا آغاز بھی اچھا رہا

اگلا سوال ٹیم اے سے۔

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

ٹیم اے:— ندا فاضلی

ناظم:— غلط۔ یہ شعر بشر بدر کا ہے

اور اب باری ہے ٹیم بی کی۔ شعر ہے

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ٹیم بی: آپ کو بتانا ہے اس شعر کے شاعر کا نام

ٹیم بی: غالب

ناظم: بالکل صحیح یہ شعر مرزا غالب کا ہے

اور اب ٹیم اے بتائے یہ شعر کس کا ہے۔

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

ٹیم اے: میرؔ

ناظم: یہ جواب بھی درست ہے، جی ہاں، یہ شعر میر تقی میرؔ کا ہے
اوراب جواب کے لیے تیار رہے ٹیم بی اور شعر ہے۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ٹیم بی:- اقبال

ناظم:- نہیں، جواب صحیح نہیں ہے۔ یہ شعر اقبال کا نہیں بلکہ آزادی کے مشہور رہنما مولانا محمد علی جوہر کا ہے۔ اوراب باری ہے ٹیم اے کی۔ آپ کو بتانا ہے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

ٹیم اے:- مجروح سلطان پوری

ناظم:- بالکل صحیح۔

اب سوال پوچھا جارہا ہے ٹیم بی سے آپ کو شاعر کا نام بتانا ہے۔ شعر ہے

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ٹیم بی— غالبؔ

ناظم— نہیں، یہ جواب غلط ہے۔ غالب نہیں بلکہ اس شعر کے خالق ہیں۔ اختر انصاری۔ اب ٹیم اے کو جواب دینا ہے۔ شعر ہے۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

ٹیم اے:- جوش ملیح آبادی

ناظم:- نہیں، یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ صحیح جواب ہے۔ شاد عظم آبادی

ناظم:- اوراب اس راؤنڈ کا آخری شعر

سر فروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

باری ہے ٹیم بی کی۔

ٹیم بی۔ رام پرشاد بسمل

ناظم۔ جواب بالکل درست۔ یہ آزادی کے مشہور سپاہی رام پرشاد بسمل کا ہے۔

ہماری اس ادبی کوئز کا پہلا راؤنڈ یہیں ختم ہوتا ہے دوسرا راؤنڈ شروع کرنے سے پہلے آپ پہلے راؤنڈ کا اسکور سن لیجئے۔

ٹیم اے نے حاصل کیے ہیں۔ 30۔ اور ٹیم بی کو ملے ہیں۔ 40۔ اس دور کی فاتح ٹیم ہے ٹیم بی۔ اور اب ہمارا دوسرا راؤنڈ شروع ہوتا ہے۔ اس راؤنڈ کا نام ہے "کتاب"

ناظم: ہر ایک ٹیم سے پانچ پانچ مشہور کتابوں کے نام پوچھے جائیں گے۔ ہر کتاب کے صحیح جواب پر پانچ نمبر ملیں گے۔ پہلے ٹیم اے سے سوال کیے جا رہے ہیں۔

"مقدمۂ شعروشاعری" کس کی کتاب ہے

ٹیم اے۔ حالی پانی پتی کی

ناظم صحیح جواب — بانگ درا کا شاعر کون ہے؟

ٹیم بی۔ علامہ اقبال۔

ناظم۔ صحیح۔

ناظم۔ شعرالعجم کس نے لکھی؟

ٹیم اے۔ مولانا شبلی نے

ناظم۔ صحیح — "آگ کا دریا" کس کا ناول ہے

ٹیم بی۔ قرۃالعین حیدر کا

ناظم۔ صحیح — سحرالبیان کا مصنف کون ہے؟

ٹیم اے۔ مولوی میر حسن

ناظم۔ جواب صحیح ——— اور ٹیم بی کی باری ہے
پہلا سوال ——— باغ و بہار کس نے لکھی؟

ٹیم بی۔ میر امن نے

ناظم۔ صحیح ——— دوسرا سوال۔ رانی کیتکی کی کہانی کس کی کتاب ہے؟

ٹیم بی۔ انشا کی

ناظم۔ یہ جواب بھی صحیح۔ تیسرا سوال۔ سب رس کا مصنف کون ہے؟

ٹیم بی۔ ملّا وجہی

ناظم۔ جواب بالکل درست چوتھا سوال 'آبِ حیات' کس کی تصنیف ہے؟

ٹیم بی۔ محمد حسین آزاد کی

ناظم۔ جواب صحیح ——— اور اب آخری سوال گئودان کے خالق کون ہے؟

ٹیم بی۔ منشی پریم چند۔

ناظم۔ دوسرا دور بھی ختم ہوا۔ اس دور میں دونوں ٹیمیں برابر رہیں۔ دونوں نے ۲۵،۲۵ نمبر حاصل کیے ہیں۔

اور اب تیسرا اور آخری دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کا نام ہے ''اقوال''
آپ کے سامنے کچھ مشہور اقوال پڑھے جائیں گے۔ آپ کو بتانا ہے کہ وہ اقوال کس کے ہیں۔ ٹیم اے۔ ''غزل نیم وحشی صنفِ سخن ہے'' یہ کس کا قول ہے؟

ٹیم اے۔ کلیم الدین احمد کا

ناظم۔ بہت خوب۔ جواب بالکل درست۔ یہ قول اُردو کے مشہور تنقید نگار کلیم الدین احمد کا ہے۔ اگلا سوال ٹیم بی سے۔ ''غزل اُردو شاعری کی آبرو ہے'' یہ قول کس کا ہے؟

ٹیم بی۔ یہ رشید احمد صدیقی کا قول ہے۔

ناظم۔ بالکل صحیح۔ یہ رشید احمد صدیقی کا قول ہے۔ رشید احمد صدیقی اُردو کے ایک اہم انشاء پرداز تھے۔ اور اب جواب دینے کی باری ہے ٹیم اے کی۔ قول ہے۔ ''ذ، ض، ط، ظ، ث، ص، ح صوتی نقطۂ نظر سے یہ سب مردہ لاشیں ہیں جسے اُردو رسمِ خط اٹھائے ہوئے ہے۔

ٹیم اے۔ یہ قول مسعود حسین خاں کا ہے۔

ناظم۔ بالکل درست۔اور اگلا قول ''مرزا صاحب! میں نے مراسلہ کو مکالمہ بتادیا ہے۔ ہزاروں کوس سے بزبانِ قلم باتیں کیا کرو ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو'' جواب دینا ہے ٹیم بی کو۔

ٹیم بی۔ یہ مرزا غالبؔ کا قول ہے۔

ناظم۔ بہت خوب۔جواب بالکل درست اور اب سوال پوچھا جارہا ہے ٹیم اے سے، قول ہے۔''اُردو میں تنقید ایسی ہے جیسے معشوق کی موہوم کمر''

ٹیم اے۔ یہ قول کلیم الدین احمد کا ہے جسے انھوں نے اُردو تنقید پر رائے دیتے ہوئے پیش کیا۔

ناظم۔ جواب بالکل درست اور اب اگلا قول ہے۔اور جواب دینا ہے ٹیم بی کو۔
قول ہے ''غزل لائقِ گردن زدنی ہے''

ٹیم بی۔ یہ قول عظمت اللہ خاں کا ہے۔

ناظم۔ ٹیم بی نے یہ جواب بھی صحیح دیا۔اس دور کا مقابلہ بھی برابر کا رہا۔



تدریس (Teaching)

شاعری کی درس وتدریس کا دوسرا مرحلہ تدریس (Teaching) ہے۔ماقبل تدریس کے مراحل سے گزرنے کے بعد یعنی نصاب تیار کر لینے اور تدریسی فضا بنا لینے کے بعد تدریس کا کام شروع ہوتا ہے۔تدریس کے سلسلے میں درج ذیل امور قابلِ غور ہیں۔

الف تمہیدی خطبات

ب متن

الف:- تمہیدی خطبات:- اسباق یا متن شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ

تمہیدی خطبات میں تدریس متن کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی جائے،اور مختلف اصنافِ سخن جن کے نمونے متن میں شامل ہیں،ان کا تعارف کرایا جائے تاکہ طلبہ شاعری کی اصناف کی پہچان اور ایک دوسرے کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ متن پڑھتے وقت ان کو کسی طرح کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اس ضمن میں خاص طور پر دو باتوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

(۱) تعارف

(۲) اغراض ومقاصد

تعارف:- چوں کہ تدریس کا موضوع شاعری ہے اس لیے شاعری کی تعریف،اس کی مائیت، اس کی اصناف،اس کی ہیئتوں،اور شاعری اور نثر کے امتیاز وغیرہ پر روشنی ڈالی جائے اور ساتھ ہی تخلیقی عمل پر بھی اظہار خیال کیا جائے کہ شعر کس طرح وجود میں آتا ہے۔کون کون سی قوتیں شعر کی تخلیق میں شریک ہوتی ہیں۔اور کوئی خیال یا تجربہ کس کس مرحلے سے گزر کر شعر کے قالب میں ڈھلتا ہے۔اور کس طرح کوئی بات یا کوئی خیال جب شعر میں تبدیل ہوجاتا ہے تو اس کی معنویت اور اثریت بڑھ جاتی ہے اور وہ سننے یا پڑھنے والے کے جذبات کو برانگیختہ،اور ذہن ودل کو متحرک کردیتا ہے۔مثلاً شاعری کی مختصر تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے۔

شاعری:— وہ کلام جس میں انسانی زندگی (جذبات،محسوسات،تجربات، خیالات وغیرہ) متوازن، مناسب، موزوں وخوش آہنگ اور موثر لفظی پیرایۂ بیان میں پیش ہو اور جسے سن کر انسان کے جذبات متحرک ہو اٹھیں اور دل ودماغ میں کیف ونشاط کی لہر دوڑ جائے،شاعری ہے۔

شاعری کی اہمیت کے سلسلے میں مسعود حسین رضوی ادیب اور شبلی نعمانی کی یہ تحریریں پیش کی جاسکتی ہیں۔

شاعری کی اہمیت کے متعلق مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں:-

”شاعری بے حس قوتوں کو چونکاتی ہے۔سوتے احساس

کو جگاتی ہے۔ مردہ جذبات کو جلاتی ہے۔ دلوں کو گرماتی ہے۔ حوصلوں کو بڑھاتی ہے۔ مصیبت میں تسکین دیتی ہے۔ مشکل میں استقلال سکھاتی ہے۔ بگڑے ہوئے اخلاق کو سنوارتی ہے اور گری ہوئی قوموں کو ابھارتی ہے۔"

مسعود حسن رضوی ادیب

شاعری کی قدرو قیمت کے بارے میں شبلی نعمانی اپنی مشہور کتاب شعرالعجم میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں۔

"دنیا کا کاروبار جس طرح چل رہا ہے اس کا اصل فلسفۂ خود غرضی اور اصول معاوضہ ہے اور جب اس کو زیادہ وسعت دی جائے تو ہمارے تمام اعمال اور افعال، ایک سلسلۂ داوستد بن جاتے ہیں، بچوں کی محبت اور پرداخت اس لیے ہے کہ وہ آئندہ چل کر ہمارے کام آئیں گے۔ باپ کی اطاعت اس کے پچھلے احسانات کا معاوضہ ہے۔ مہمان نوازی اس اصول پر ہے کہ ہم کو بھی کبھی مہمان ہونے کی ضرورت پیش آئے گی۔ قومی کام اس لیے کیے جاتے ہیں کہ واسطہ درواسطہ خود کرنے والے کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

اس فلسفے سے بے شبہ عمل کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ تجارت کو ترقی ہوتی ہے۔ کاروبار وسیع ہوجاتے ہیں۔ دولت کی بہتات ہوجاتی ہے لیکن تمام جذبات مرجاتے ہیں، دل مردہ ہوجاتا ہے۔ لطیف اور نازک احساسات فنا ہوجاتے ہیں۔ عشق ومحبت برباد ہوجاتے ہیں۔ اور تمام دنیا ایک بے حس کل بن جاتی ہے جو خودغرضی کی قوت سے چل رہی ہے۔ اس حالت میں شعر شریفانہ جذبات کو تازہ کرتا ہے، وہ محسوسات کے دائرے سے نکال کر ہم کو ایک اور

وسیع اور دلفریب عالم میں لے جاتا ہے۔ وہ ہم کو بے لاگ اور بے غرض دوستی کی تعلیم کرتا ہے، وہ ہم کو سچی خوشی اور سچی مسرت دلاتا ہے جبکہ کاروبار کے ہجوم، مقابلے کی کشمکش، معاملات کی الجھن ترددات کی دارو گیر سے دل بالکل ہمت ہار دیتا ہے تو شعر مجسم سکون اور اطمینان بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔"

شاعری کی اصناف:- شاعری کسی ایک انداز یا شکل یا موضوع میں محدود نہیں ہوتی بلکہ یہ مختلف رنگ و آہنگ اور شکل وصورت میں تخلیق ہوتی ہے اور مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہے شاعری کی انھیں اوصاف و خصوصیات کی بنا پر اسے مختلف اقسام میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جو شاعری کی اصناف کہلاتی ہیں۔ مثلاً

- غزل
- نظم
- نظمِ معرّیٰ
- آزاد نظم
- مثنوی
- قصیدہ
- مرثیہ
- رباعی
- قطعہ
- شہرِ آشوب
- واسوخت
- ریختی

— ہزل

— حمد

— نعت

— منقبت

— سہرا

غزل:- شاعری کی اس صنفِ کا نام غزل ہے۔جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں اور باقی اشعار کے آخری مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کی پابندی ہوتی ہے(کبھی ردیف چھوڑ بھی دی جاتی ہے)اور جس کا ہر شعر معنی و مفہوم کے اعتبار سے اپنے آپ میں مکمل اور ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔

غزل کے پہلے شعر کو مطلع اور آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص ہوتا ہے مقطع کہا جاتا ہے۔غزل میں چوں کہ دو ہی مصرعوں میں مکمل بات کہنی ہوتی ہے اس لیے اشاروں سے کام لیا جاتا ہے اور اس کے لیے تشبیہ،استعارہ،علامت،تلمیح وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔اسی لیے غزل کو اشارے کا آرٹ کہا جاتا ہے۔

نظم:- کسی ایک موضوع کو تسلسل،ارتقا اور موزونیت یا آہنگ کے ساتھ پیش کرنے کا نام نظم ہے،نظم کی کوئی مخصوص ہیت نہیں ہوتی،وہ کسی بھی ہیت یعنی دو بیتی،مثنوی کی ہیت،مثلث،مربع،مخمس،مسدّس،ترکیب بند،ترجیع بند وغیرہ میں لکھی جاسکتی ہے۔

اردو میں نظم بحیثیت صنف چار طرح کی ہوتی ہے

پابند نظم:- ایسی نظم جس میں وزن،بحر،قافیہ،اور ردیف کی پابندی ہو

نظمِ معرّیٰ:- ایسی نظم جس میں مصرعے تو برابر ہوتے ہیں مگر قافیے کی پابندی نہیں ہوتی۔

آزاد نظم:- قافیہ،ردیف کے ساتھ ساتھ مصرعوں کے برابر ہونے کی پابندی بھی اٹھالی جاتی ہے۔اس میں کوئی مصرعہ بڑا ہوسکتا ہے تو کوئی چھوٹا،مگر وزن کی پابندی اس

میں بھی برقرار رہتی ہے۔

نثری نظم:- یہ نثر سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔یعنی اس کے الفاظ کی ترتیب نثر کی طرح ہوتی ہے بحر، وزن، قافیہ، ردیف کسی چیز کی پابندی نہیں ہوتی۔البتہ اس میں ایک شعری آہنگ کا اہتمام والتزام کیا جاتا ہے جو اسے نثر کے دائرے سے نکال کر شاعری کی حدود میں داخل کرتا ہے۔

مثنوی:- مثنوی شاعری کی وہ صنف ہے جس میں کسی واقعے یا قصے یا خیال کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

مثنوی کے لفظی معنی ہیں ''دو'' ''دو'' یا دوہرا کرنا۔اصطلاح میں مثنوی اس صنفِ شاعری کو کہتے ہیں جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے بعد قافیہ بدلتا رہتا ہے۔یعنی ہر شعر میں الگ الگ قافیے لائے جاتے ہیں اور جس میں عام طور پر عشق ومحبت کی کوئی داستان پیش کی جاتی ہے۔

قصیدہ:- قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں اور باقی شعروں کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ ہونے ہیں اور جس میں مدح یا ذم کا قصداً اہتمام کیا جاتا ہے اور جو مندرجہ ذیل اجزا سے تکمیل پاتی ہے۔تشبیب، گریز، مدح، دعا۔

قصیدہ کے آغاز کے حصے کو تشبیب کہتے ہیں، یہ حصہ تمہید کا کام کرتا ہے۔اس میں ایک ایسی فضا تیار کی جاتی ہے جو مدح سے پہلے ممدوح کو اپنی تعریف سننے اور سن کر شاعر کو انعام واکرام عطا کرنے کے لیے ہموار کردے۔

گریز قصیدے کا دوسرا اہم جزو ہے یہ تشبیب اور مدح دو مختلف حصّوں کو اس طرح جوڑتا ہے کہ اس میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔گریز کا کمال یہ ہے کہ تشبیب کے اشعار کہتے کہتے شاعر مدح کا مضمون اس طرح شروع کردے جیسے بات میں بات پیدا ہو گئی ہو۔

مدح قصیدے کا بنیادی جز ہے۔قصیدہ گو عام طور پر اسی کے لیے قصیدے کی عمارت کھڑی کرتا ہے اس لیے اس کا دلکش، موثر اور فطری ہونا بہت ضروری ہے۔قصیدے میں عموماً ممدوح کے عدل، انصاف، بخشش وسخاوت دلیری وشجاعت، علم وہنر ولیاقت اور

اس کے مرتبے وحیثیت کی تعریف کی جاتی ہے۔

قصیدے کا آخری حصّہ دعا کہلاتا ہے۔اس میں شاعر ممدوح کی ترقی وخوش حالی اور درازیِ عمر کے لیے دعا کرتا ہے۔

کسی کسی قصیدے میں حسن طلب بھی ہوتا ہے حسن طلب اس حصّے کو کہتے ہیں جس میں شاعر اپنے ممدوح کے بعد اپنا مدعا عرض کرتا ہے اور ممدوح سے صلہ وانعام اس طرح طلب کرتا ہے کہ ممدوح خوش ہوکر شاعر کی ضرورت پوری کردے۔

مرثیہ:- ایسی نظم جس میں کسی کی موت پر اس کی خوبیوں کو بیان کر کے اظہار افسوس کیا جائے، مرثیہ کہلاتی ہے۔وہ بھی ایک طرح کی تعریفی نظم ہے مگر قصیدہ اور اس میں فرق یہ ہے کہ قصیدے میں زندوں کی تعریف کی جاتی ہے اور مرثیہ میں مردوں کی توصیف وتعریف بیان کی جاتی ہے۔

اردو میں دو طرح کے مرثیے ملتے ہیں،ایک وہ جن کا تعلق شاعر کے کسی عزیز، دوست، یا ملک وقوم کے کسی مشہور اور اہم شخصیت کے انتقال سے ہے اور دوسرے وہ جو حضرت امام حسین اور ان کے رفقا کی شہادت اور واقعاتِ کربلا پر لکھے گئے ہیں۔ پہلی قسم کے مرثیے کو شخصی اور دوسری قسم کے مرثیے کو غیر شخصی یا کربلائی مرثیہ کہا جاتا ہے

مرثیہ کے لیے کوئی ہیئت مخصوص نہیں ہے۔مختلف ہیئتوں میں اس کے نمونے ملتے ہیں مگر سانحۂ کربلا سے متعلق مرثیے زیادہ تر مسدس کے فارم میں لکھے گئے ہیں۔

کربلا سے متعلق مرثیے میں رزمیہ کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔واقعاتِ کربلا جنگی داستان کی طرح بیان ہوتے ہیں،اس لیے اس طرح کے مرثیے مختلف عناصر سے ترتیب پاتے ہیں۔ مثلاً چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ شہادت، بین وغیرہ۔

چہرہ:- مرثیے کے ابتدائی جز کو چہرہ کہا جاتا ہے۔چہرے میں مرثیہ نگار بیان ہونے والے واقعات وامام حسین کے کسی عزیز، یا دوست کی شہادت کا مختصراً تعارف کراتا ہے اور رونما ہونے والے حالات کے لیے فضا بھی تیار کرتا ہے۔

سراپا:- مرثیے کے کرداروں کی شکل وصورت، وضع قطع، لباس وانداز اور

شان وشوکت کے بیان کا نام سراپا ہے۔ سراپا بیان کرتے وقت مرثیہ نگار کو کرداروں کے مرتبے، حیثیت اور عمر کا خاص طور سے خیال رکھنا پڑتا ہے تاکہ ہر کردار اپنی منفرد پہچان کے ساتھ سامنے آسکے۔

رخصت:- مرثیے کا وہ عنصر رخصت کہلاتا ہے جس میں میدانِ جنگ میں جانے والا سپاہی حضرت امام حسن اور اپنی ماں، بہن، بیوی، بیٹی اور دوسرے عزیز واقارب سے اجازت طلب کرتا ہے اور اسے رخصت کرتے وقت اس سپاہی کا ایک ایک رشتہ دار اپنے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔

آمد:- میدانِ جنگ میں مجاہد جس آن بان شان اور بے خوفی سے دشمن کے مقابل آتا ہے، اس بیان کو آمد کہا جاتا ہے۔

رجز:- رجز کے لفظی معنی ہیں میدانِ جنگ میں پڑھے جانے والے اشعار۔ اس حصے میں میدانِ جنگ میں کھڑے دونوں فریق کے بہادر سپاہی کو اپنی طاقت، بہادری اور خاندانی برتری کے اظہار والے اشعار کو جوشیلے انداز میں پڑھتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔

جنگ:- یہ مرثیے کا سب سے اہم حصہ ہوتا ہے۔ اس میں میدانِ کربلا کے واقعات اور میدانِ کارزار کے نقشے کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ جنگ کا ایک ایک منظر آنکھوں میں ابھر آتا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جہاں مرثیے نگار اپنے فن کا خوب خوب مظاہرہ کرتا ہے۔

شہادت:- اس حصے میں امام حسین یا ان کے کسی ساتھی کا بہادری سے جنگ کرتے کرتے مارا جانا، اسے خیمے میں لانا اور مرنے والے کے رشتہ داروں کی بے قراری دکھائی جاتی ہے۔

بین:- مرثیے کا آخری جز بین کہلاتا ہے۔ اس میں شہید ہونے والے سپاہی کی موت پر اس کے متعلقین کی بے قراری اور آہ وزاری بیان کی جاتی ہے

رباعی:- اُردو شاعری کی مختصر مگر نہایت اہم صنف ہے اس میں صرف چار مصرعے ہوتے ہیں۔ رباعی عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہے چار چار۔ چوں کہ اس صنف

میں صرف چار ہی مصرعے ہوتے ہیں، اس لیے اس رعایت سے اس کا نام رباعی رکھا گیا۔ اصطلاح میں ایسی نظم کو رباعی کہتے ہیں جو ایک مخصوص بحر اور مخصوص اوزان میں لکھی جاتی ہے اور فکر و خیال کے اعتبار سے مکمل ہوتی ہے — رباعی کے ابتدائی تین مصرعوں میں خیال تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور آخری مصرعے میں تکمیل کو پہنچتا ہے۔ رباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور تیسرا بے قافیہ۔

رباعی یوں تو فلسفیانہ خیالات کے لیے مخصوص ہے مگر اس میں عشقیہ مضامین بھی پیش کیے جاتے رہے ہیں۔

قطعہ:- قطعہ بھی اردو میں شاعری کی ایک صنف کی حیثیت سے مقبول ہے قطعہ کے لفظی معنے ''ٹکڑے'' کے ہیں، غزل میں شاعر جب کسی خیال کو ایک شعر میں نہ کہہ کر اسے ایک سے زیادہ شعروں میں مکمل کرتا تھا تو ایسے شعروں کو قطعہ بند اشعار کہا جاتا تھا، انھیں قطعہ بند اشعار کے لیے بعد میں قطعہ کی اصطلاح رائج ہوئی اور شاعروں نے اسے الگ سے ایک ہیئت کے طور پر برتنا شروع کر دیا۔ یعنی غزل کی ہیئت میں خیال کو نظم کی طرح تسلسل کے ساتھ پیش کرنے لگے۔ اسی لیے قطعہ کی تعریف میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ غزل کی شکل میں نظم کہنے کا نام قطعہ ہے۔

قطعے کے تمام اشعار ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں اور معنی کی تکمیل کی خاطر ایک دوسرے کے محتاج بھی ہوتے ہیں۔

اردو میں یوں تو دو سے زیادہ اشعار والے قطعے بھی لکھے گئے ہیں مگر زیادہ تر توجہ چار مصرعوں والے قطعے پر دی گئی ہے۔

شہر آشوب:- شہر آشوب اس صنفِ سخن کو کہتے ہیں جس میں کسی شہر کی بربادی و تباہ کاری کو نہایت دردمندی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ کسی معاشرے کی بے بسی، پستی اور مفلوک الحالی اس کے مخصوص موضوعات ہیں۔ اس کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہوتی، شہرِ آشوب قصیدے کی ہیئت میں بھی موجود ہے اور مسدس کے فارم میں بھی۔ اس لیے اس کی صنفی شناخت مخصوص موضوع کے بنا پر ہوتی ہے۔

ہزل:- ہزل ایک طرح کی غزل ہی ہوتی ہے۔یعنی اس کی ہیئت وہی ہوتی ہے جوغزل کی ہے فرق اتنا ہے کہ اس میں غزل کے برعکس سوقیانہ عامیانہ اورمبتذل خیالات پیش ہوتے ہیں،اس کے مزاح اور انداز میں پھکڑپن اور گندگی کا عنصر شامل ہوتا ہے مثلاً ؎

ہے سب اپاہجوں کا اڈا تری گلی میں لولا تری گلی میں لنگڑا تری گلی میں

بوٗم سالا مفت میں بد نام ہے ان حسینوں نے اجاڑیں بستیاں

ریختی:- ریختی ویسے تو ایک صنف کا درجہ رکھتی ہے مگر حقیقت میں اس کا تعلق بھی غزل سے ہے۔جوغزلیں عورتوں کی زبان،عورتوں کے الفاظ،عورتوں کے روزمرہ، عورتوں کے محاورے،عورتوں کے لب ولہجے اورانھیں کی جانب سے خطاب کے انداز میں کہی جاتی ہیں،انھیں ریختی کہا جاتا ہے۔ریختی کی خاص پہچان عورتوں کے مخصوص روزمرہ اورمحاوروں کے بیان کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اس میں عشق ومحبت کے بجائے ہوس کا بیان ہوتا ہےاور شاعر کی توجہ جنسی فعل اور جنسی بدعنوانی پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے جیسے ؎

مجھ نگوڑی کو وہ سوتے سے جگا دیتے ہیں اپنی مطلب کے لیے پاؤں دبا کر باجی

ہے رات دن فقط تمھیں اسی کام سے غرض مرجائے یا جیئے کوئی جوتی سے آپ کے

رسّی سمجھ کے بھاگی میں اک چیخ مار کر دیکھی جو اپنی چوٹی کی پرچھائیں رات کو

ٹال کر کہنے لگے،دن ہے ابھی رات کے وقت کچھ اشارہ جو کیا میں نے ملاقات کے وقت

آزادغزل:- اردو میں ایک نئی قسم کی غزل کا رواج بھی چل پڑا ہے اس نئی قسم کی غزل میں پرانی غزل کے برخلاف مصرعے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔چوں کہ اس میں پرانی غزل کی طرح مصرعوں کے برابر ہونے کی پابندی نہیں ہوتی،اس لیے اسے آزادغزل کہا جاتا ہے۔نمونہ ؎

اسی سرمئی روشنی میں رواں ۔ دل کا بارا ہوا کارواں ہے

بھڑکتے چراغوں میں غم کا دھواں ہے۔

حمد:- حمد ایسی نظم کو کہا جاتا ہے جس میں خدا کی تعریف وتوصیف بیان کی

جاتی ہے۔حمد میں شاعر خدا کی صفات بیان کرنے کے علاوہ اس سے اپنی بخشش اور کامیابی کے لیے دعا بھی مانگتا ہے،حمد کی کوئی مخصوص ہیت نہیں ہوتیہ کسی بھی فارم میں لکھی جاسکتی ہے۔

نعت:- ایسی نظم جس میں حضرت محمدؐ کی سیرتِ پاک یا فضائل واوصاف بیان کیے جائیں، نعت کہلاتی ہے۔نعت میں حضرت محمدؐ کی سیرت کی خوبیوں کو بیان کرنے کے ساتھ شاعر آپ سے (حضرت محمدؐ) اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔لعنت کی کوئی مخصوص ہیت نہیں ہوتی ،اسی لیے نعت مختلف ہیئتوں میں ملتی ہے۔

تخلیقی عمل:- وہ عمل جس سے تخلیق جنم لیتی ہے یعنی شعر وجود میں آتا ہے، اسے تخلیقی عمل کہتے ہیں۔اس عمل میں خاص طور پر درج ذیل قوتیں کارفرما ہوتی ہیں:

۱۔قوتِ احساس Power of feeling

۲۔قوتِ متخیلہ Power of Imgination

۳۔قوتِ ممیّزہ Power of distinguish

۴۔قوتِ زبان Language power

جب تک ان قوتوں کی کارفرمائی نہ ہو،شاعری وجود میں نہیں آسکتی۔یہ قوتیں ویسے تو تمام انسانوں کے اندر ودلعیت کی گئی ہیں مگر سبھی تخلیق کار نہیں بنتے ،تخلیق کار وہ بنتا ہے جس کے اندر یہ قوتیں شدید یعنی زیادہ قوی ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے قوتِ احساس اپنا کام کرتی ہے،دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے انسان، اسے محسوس کرتا ہے،قوی احساس رکھنے والا زیادہ گہرائی اور شدّت سے محسوس کرتا ہے۔اس کے محسوسات اس کے اندر ردِّعمل پیدا کرتے ہیں اور نتیجے میں طرح طرح کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔انھیں جذبوں کے اظہار سے شاعری پیدا ہوتی ہے مگر ہر جذبہ اظہار نہیں پاتا، اظہار وہ پاتا ہے جسے قوتِ ممیّزہ منتخب کرتی ہے۔قوتِ ممیّزہ اسی جذبے کو منتخب کرتی ہے جو زیادہ شدید ہے۔جو نرالا اور نکیلا ہوتا ہے۔اوراس منتخب جذبے کو قوت متخیلہ اپنی کارفرمائی سے اور بھی دھاردار، پر اثر اور رنگین بناتی ہے۔اور زبان کی مدد سے اسے بہتر بنا کر پیش کرتی ہے یہ تمام قوتیں محسوسات کو اس قدر شدید، موثر اور قوی تر بنا کر پیش کرتی ہیں کہ سننے

والے پر بھی وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے ایک تخلیق کار اپنے تخلیقی عمل کے دوران گزرتا ہے۔

تدریسِ شعر کے اغراض و مقاصد:

عموماً یہ بات سننے میں آتی ہے کہ طالب علموں کو شعر و شاعری کیوں پڑھائی جاتی ہے، مجھ سے تو یونین پبلک سروس کمیشن کے ایک انٹرویو میں یہ سوال کیا گیا کہ '' آپ لوگ میر و غالب کو کیوں پڑھاتے ہیں؟ ان کو پڑھانے سے کیا فائدہ ہے؟ اس وقت تو میں اس سوال کا جواب ٹھیک سے نہ دے سکا مگر جب بعد میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ دوسرے سبجیکٹ سے کہیں زیادہ شعر و شاعری کی تدریس ضروری ہے۔ اس سوال کے جواب کے سلسلے میں میں نے جو غور و خوص کیا، اسے یہاں پیش کر رہا ہوں تا کہ اندازہ ہو سکے شعر و شاعری پڑھنا یا پڑھانا کیوں ضروری ہے۔

شاعری کی تدریس کے اغراض و مقاصد کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) **بنیادی مقاصد**

(۲) **مخصوص مقاصد:**

— متعلم کو منظوم زبان پڑھنا سکھانا۔

ا— بنیادی مقاصد

— متعلم کو منظوم زبان پڑھنا سکھانا۔

— اظہار کو مؤثر بنانا۔

— زبان کی جادوئی (طلسماتی) قوت کو بتانا۔

— تناسب، توازن اور آہنگ کا احساس (Sense) بیدار کرنا۔

— ادبی ذوق کی آبیاری کرنا۔

— شعر و ادب کی تحسین شناسی۔

— شعری ساخت کا تنقیدی تجزیہ۔

— عام اظہاراور شعری اظہار کے فرق کو بتانا۔
— جذبات برانگیختہ کرنا۔
— لذّت وانبساط فراہم کرنا۔
— قوتِ تخیئل کوقوی بنانا۔
— تخئیلی پرواز کی کرشمہ سازیوں سے آگاہ کرانا۔
— احساس کو جگانااوراسے شدید بنانا۔
— تخلیقیت کواکسانا۔
— شعرگوئی کی طرف مائل کرنا۔
— مطالعۂ شعر کی عادت ڈالنا۔
— اورشاعری کے ذریعہ تزکیہ نفس (کتھارس) کرنا۔

مخصوص مقاصد:

— پڑھائے جانے والےفن پارے کے موضوع کا تعارف۔
— شاعر کے خیالات، جذبات اوراس کے افکارکواجاگرکرنااورانسانی زندگی کے تئیں اس کے رویّے کوسامنے لانا۔
— نظم کے مرکزی خیال اوراس کے مقصد سے آگاہ کرانا۔
— غزل کے شعروں کے ایک ایک تجربے سے متعارف کرانا۔
— کسی خاص عہد کے شعری رجحان، میلان سے واقف کرانا۔
— کسی عہد کی مجموعی سوچ سے واقف کرانا۔
— کسی مخصوص زمانے کی شاعری کا تعارف کرانا۔
— کسی مخصوص شعری تحریک سے واقف کرانا۔
— کسی خاص صنفِ سخن اورشعری ہیئت کا تعارف کرانا۔
— کسی شاعر کےفن کا تعارف کرانا۔
— کسی مخصوص شعری اسلوب، اندازِ بیان یارنگِ سخن سے تعارف کرانا۔

(ب) متن:

۱۔ قرأت

۲۔ مشکل الفاظ کے معنی

۳۔ تفہیم

۴۔ صنف کا تعارف

۵۔ شاعر کا تعارف

۶۔ زبان و بیان

۷۔ شعری سماجیات

۱۔ قرأت

- بُلند خوانی
- مثالی بلند خیالی
- مثالی بلند خوانی کی تقلید

۲۔ مشکل الفاظ کے معنی:

- مفرد الفاظ کے معنی
- مرکبّ الفاظ کے معنی
- محاورات وضرب الامثال کی وضاحت

۳۔ تفہیم:

- شعر کی نثری ترتیب
- مفہوم
- مرکزی خیال
- تشریح
- خلاصہ
- مقصد

— تشریح:

- شعر کی
- بند کی
- پوری نظم کی
- معنوی عناصر کی یعنی نازک خیالی، بلند خیالی، مضمون، آفرینی، تہہ داری وغیرہ

۴۔ صنف کا تعارف:

- صنف کی امتیازی خصوصیات
- ہئیت
- صنف کے تقاضے

۵۔ شاعر کا تعارف:

- سوانحی کوائف
- مزاج و ماحول
- دور
- محرکات وعوامل

۶۔ زبان و بیان:

- شعری ساخت
- شعری ترتیب اور نثری ترتیب کا فرق
- پیرایۂ اظہار
- صوتی حسن
- لفظی حسن
- معنوی حسن
- عروض وقوافی

- ہیئت اور تکنیک

۷۔ شعری سماجیات:

- محبوب کا تصور
- عاشق کا تصوّر
- رقیب کا تصوّر
- زاہد، ناصح اور واعظ کا تصوّر
- شیخ و برہمن کا تصوّر
- آسمان کا تصوّر
- گل و بلبل اور شمع و پروانہ کا تصوّر
- مرثیہ کا تصوّر
- مجلس کا تصوّر
- ماتم کا تصوّر
- حمد کا تصوّر
- نعت کا تصوّر
- منقبت کا تصوّر
- شہرِ آشوب کا تصوّر
- ریختی کا تصوّر

قابلِ غور امور:

- متن کی تدریس شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ
- سیکھنے والوں کا بیک گراؤنڈ کیا ہے
- وہ مادری یا پہلی زبان کے متعلم ہیں
- یا ثانوی زبان کے متعلم ہیں
- Cognate Learners ہیں

– یا Non Cognate Learners
– اگر متن کے متعلم مادری زبان یا پہلی زبان سے تعلق رکھتے ہیں تو ان

باتوں پر زور دیا جائے:
– مثالی بلند خوانی پر
– پیش کش پر
– شعری ساخت پر
– شعری باریکیوں پر
– مفہوم کے مختلف پہلوؤں اور تہہ داری پر
– شعری محاسن وعیوب پر

اور اگر ثانوی زبان کے متعلم ہیں تو ان باتوں پر خاص طور سے زور دیا جائے
– قرأت پر۔ (لفظ کی ادائیگی، تلفظ، اور روانی)
– شعری ترتیب میں لفظوں کے رول پر
– تہذیبی عناصر اور شعری سماجیات پر

۳۔ مابعد تدریس:

الف – شعری ذوق کی تربیت کی تدابیر وتراکیب

۱۔ دلچسپ وموثر شعروشاعری کی فراہمی
۲۔ غزل سرائی کا پروگرام
۳۔ شعری نشست کا اہتمام
۴۔ مشاعروں میں شرکت کا انتظام
۵۔ شاعری کے اڈیو اینڈ ویڈیو کیسٹ سنانے اور دکھانے کا اہتمام
۶۔ اچھے فلمی نغموں کا پروگرام
۷۔ شعروشاعری پر بنائے گئے دیگر پروگرام مثلاً فیچر، ڈراما، تمثیلی

مشاعرہ وغیرہ

۸۔ شاعروں سے ملاقات کا پروگرام

۹۔ میوزیکل (نغماتی فلم کا اہتمام)

ب۔ لسانی کھیل:-

- نظم خوانی کا مقابلہ
- قافیہ پیمائی کا مقابلہ
- بیت بازی
- ادبی کوئز
- شعرگوئی کا مقابلہ
- مصرعۂ طرح پر شعرگوئی

(ج) جانچ اور جائزہ:

- قافیہ شناسی
- ردیف شناسی
- تشبیہ واستعارہ شناسی
- علامت کی شناخت
- صنائع وبدائع کی پہچان
- ہیت شناسی
- بہترین نظموں کا انتخاب
- اچھے اشعار کا انتخاب
- ہم قافیہ الفاظ جمع کرانا
- تشبیہ والے شعروں جمع کرنا
- مختلف موضوعات پر اشعار جمع کرانا
- تلمیحی اشعار جمع کرانا

- حب الوطنی (وطن دوستی) پر نظمیں جمع کرانا
- قومی یک جہتی پر نظمیں جمع کرانا
- مزاحیہ اور طنزیہ اشعار جمع کرانا

☆☆☆

مصنف کی دیگر مطبوعات

۱۔ پانی (ناول، ۱۹۸۹ء)
۲۔ کینچلی (ناول، ۱۹۹۳ء)
۳۔ کہانی انکل (ناول، ۱۹۹۷ء)
۴۔ مم (ناول، ۱۹۹۸ء)
۵۔ دویہ بانی (ناول ۲۰۰۰ء)
۶۔ فسوں (ناول، ۲۰۰۳ء)
۷۔ مشرقی معیارِ نقد (تنقید، ۱۹۷۸ء)
۸۔ زبان وادب کے تنقیدی پہلو (تنقید، ۲۰۰۱ء، دوسرا ایڈیشن)
۹۔ کوئلے سے ہیرا (ڈرامہ، ۱۹۷۱ء)

BUSHRA PUBLICATIONS
ALIGARH